زندگی زندہ دلی کا ہے نام
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

گلدستۂ ظرافت

یعنی

مذاق لطیف کی کنجی، ہنسنے ہنسانے کی کل، کشت زعفران، دل لگی کا میگزین، قہقہہ دیوار، آئینہ اسکندر، جام جم، چلتا پرزہ، نور مجلس، دو معنی پھبتی کی مشین، شمع محفل، تبسم ناز، لطف زندگی، رفیق زندگی، غم غلط کرنے کا بے مثل آلہ، لکھنؤ کی صاف و شیریں زبان

مولفہ

جناب نشتر لکھنوی

باہتمام سیٹھ کندن لال مالک مطبع
سیٹھ کندن لال پریس لکھنؤ میں چھپا

جلد ۱۰۰۰ — نومبر ۱۹۱۸ء

گلدستۂ ظرافت

مرتبہ

جناب نشتر لکھنوی



دیباچہ

ہندوستانیوں کا مزاج ہمیشہ سے مزاح پسند ہے۔ خاص کر لکھنؤ میں یہ عادت تھی طبیعت ثانی بن گئی ہے۔ اور حقیقت میں مذاق کلام کا نمک ہے جس طرح کھانا بغیر نمک بے مزا رہتا ہے اسی طرح گفتگو میں اگر مزاح کی نمک پاشی نہ ہو تو مزا نہیں آتا۔ اسپر بھی مذاق خاص و عام میں فرق ہے۔ اور مذاق صحیح وہی ہے جس میں تہذیب ہاتھ سے نہ گئی ہو۔ یہ ایک فن خاص ہے۔ شاہی میں تو امرا اور رؤساء کے مصاحبین اس کو فن شریف سمجھکر حاصل کرتے تھے۔ اور اسی کا نام علم مجلس تھا۔ ہر چیز کا اعتدال اچھا ہوتا ہے۔ ہنسنا ضرور باعث تفریح طبع ہے۔ لیکن خندۂ بیجا باعث انقباض خاطر ہوتا ہے۔ عقلا نے ہنسی کے بھی مراتب قایم کئے ہیں۔ مذاق، تمسخر، ظرافت، مزاح، دلگی، میں فرق ہے۔ زمانہ شاہی میں شرفا زادے طوائفان شہر سے علم مجلس حاصل کرتے تھے۔ اور طوائفوں کو ظرافت میں ایسا کمال حاصل ہوتا تھا کہ اچھے اچھے شہزادوں پر آوازے کستی تھیں۔ اور وہ انکو شربت کے گھونٹ کی طرح پی جاتے تھے۔ اور انکی شیریں زبانی کی داد دیتے تھے۔ کوئی لفظ بھی بار خاطر نہ ہوتا تھا۔ ایسی گفتگو کے تحت میں چند نکات پوشیدہ ہوتے ہیں جنکو اردو کے صنائع بدائع میں شمار کرنا چاہئے۔ ضلع، جگت، پھبتی، اولچھی، طعن، کنایہ، ذو معنی رعایت لفظی، اردو ظرافت کے جزو اعظم ہیں۔ اور ان کے لئے بھی استعداد و علمیت کی ضرورت ہے۔ پھر محاورے اور روزمرہ سے کوئی فقرہ الگ نہ ہونے پائے۔ ظرافت با مزہ نہی ہے۔ جو برجستہ اور بر وقت ادا ہو جائے۔ روتے ہوئے آدمی کو ہنسا دے۔ ایسے لطیفے اتفاق سے ادا ہو جاتے ہیں۔

عوام الناس انھیں لطیفوں کو "چٹکیاں اور اڑان" کہتے ہیں۔ ایسے لطیف لطیفے جو طبیعت کو سرور بخشیں کبھی کبھی شعرا کے قلم سے نکل جاتے ہیں جنکی تاثیر قلب و جگر پر تیر و نشتر کا کام کرتی

ہے۔ یہ بات ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتی۔ خاص خاص لوگ اس کے اہل ہیں۔ جس وقت خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی کے ادبی، تاریخی، اور اخلاقی مضامین کتابی صورت میں جمع کرنے کی فکر میں تھا۔ اور ایک ایک رسالے ایک ایک اخبار کی تلاش میں شہر شہر پھرتا تھا۔ ایک ایک پرچے کی چوگنی چوگنی قیمت ادا کرتا تھا۔ کبھی بدست احباب کی خوشامد تھی۔ کبھی غیر شناسا کا احسان اٹھانا پڑتا تھا۔ اور سبب بھی یہی تھا کہ برسوں کے پرانے رسالے جس کے پاس تھے خاص کر جن میں خواجہ صاحب کے مضامین تھے لوگ ان کو جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ اور بحفاظت تمام رکھتے تھے۔ اس کے دینے میں بخل کرتے تھے اور حقیقت حال بھی یہی ہے۔ کتاب عاریتاً دینے کا رواج اس زمانے میں متروک ہو گیا ہے۔ لیکن خدا نے مجھے اس تلاش میں کامیاب کیا۔ خاص کر کلکتہ الہ آباد، کانپور، اور لکھنؤ سے اکثر پرچے دستیاب ہو گئے۔ بعض مضامین میں نے لائبریریوں سے اخبارات اور رسالیات کے فائل نکلوا کر نقل کئے۔ کچھ پرچے خواجہ صاحب سے بھی ملے۔ پھر بھی بہت سے مضامین کی ابتک مجھے تلاش ہے اور ان کے ملنے کی فکر ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس تلاش میں بعض پنچ اخباروں مثلاً اودھ پنچ لکھنؤ، جنرل پنچ لکھنؤ، اینگلو بانکی پور، پنچ بہادر بمبئی، فتنہ گورکھپور، ظریف لکھنؤ، وغیرہ وغیرہ میں ظرافت کے مضامین نظر آئے۔ جو دلچسپی اور تفریح طبع سے خالی نہ تھے۔ اگر کل مضامین جمع کئے جاتے۔ تو ایک ضخیم کتاب ہو جاتی۔ میں نے اس مجموعے کا عطر نکال لیا۔ اور خاص خاص مضامین چن کر ایک کتابی صورت میں مرتب کر لئے۔

یہ دیکھ کر ناظرین متعجب ہونگے کہ جو شخص اتنا متین، اتنا بڑا ادیب، اتنا مہذب نگار ہو اُس کے قلم سے ظرافت ایسی برجستہ ادا ہوتی ہے۔ جیسے کڑی کمان سے تیر۔

ایک ایک فقرہ ہنسائے دیتا ہے پیٹ میں بل پڑ پڑ جاتے ہیں۔ نظم دیوار قہقہہ ہے تو نثر کشت زعفران۔ یہ بات عموماً دیکھی گئی ہے کہ ظرافت میں ناظم شاعرانہ قواعد و ضوابط کا لحاظ نہیں رکھتے۔ عامیانہ الفاظ استعمال کر جاتے ہیں متروکات کی پابندی کو ملحوظ نہیں رکھتے اکثر تو ردیف قافیے کی بھی قید سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ لیکن خواجہ صاحب کی نظم ان رکاکتوں سے پاک ہے۔ انکی ظرافت آمیز نظمیں بھی شاعرانہ خوبیوں کو لئے ہوئے ہوتی ہیں۔

تفریح طبع کے لئے اس کتاب کا کتب خانے میں موجود ہونا۔ اور مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے۔

آپ کسی رنج کسی فکر میں ہوں اس نقشِ ظرافت کو عمل کے طریق پر ایک دفعہ پڑھ جائیے سارے غم ساری فکریں دل سے کوسوں دور ہو جائیں گی۔

امید ہے کہ یہ کتاب دماغی محنت کرنے والوں کی تفریح طبع میں معجون مرکب اور تسخیر ہمزاد کا کام دیگی۔ اور طبیعتوں میں شگفتگی پیدا کرے گی۔ دیکھنے اور سننے والے ہمیشہ ہنستے اور ظرافت کے مزے لیتے رہیں گے۔

یہی وہ کتاب ہے جو ایک مرتبہ پڑھ چکنے کے بعد بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گی۔

سرائے میوہ۔ لکھنؤ
یکم مارچ ۱۹۱۸ء

احقر نشتر عفی عنہ

پریزادوں کا جلسہ

اس میں شک نہیں کہ لکھنؤ باعتبار تماشبینی و حسن پرستی "رنڈیوں کا دار السلطنت" ہے۔ صورت شکل، رعنائی، دلربائی، طرحداری، عیاری، مکاری، ستم شعاری، عشوہ، غمزہ، چالاکی، بیحیائی کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ حسن کی دیوی نے یہاں گومتی ماتا کی گود میں جنم لیا ہے۔

اسی ادائے دلکش کو یاد کرکے ناسخ مرحوم کہتے ہیں ؎

گُل سے رنگین تر ہیں خار لکھنؤ
نشہ سے بہتر خمار لکھنؤ

ابھی تک اس شہر میں یہ بات حاصل ہے۔ کہ دیہات سے جو سیدھا سادہ حسین مہ جبین آجاتا ہے۔ کچھ دنوں کی نشست برخاست کے بعد شوخی طرازی۔ غمزہ جانستان سیکھکر دلربائی کا مدرس اول بن جاتا ہے۔

اسی وجہ سے ہندوستان بھر کی طوائفوں کا تخت گاہ لکھنؤ قرار پایا۔ سرپرستی کے لحاظ سے اس تختگاہ پر ذاتی سلطنت یا رئیسہ ریاست ہونا ضرور تھا۔ پھر حسینوں کا سردار بھی لازمی حسین و مہ جبین بلکہ چندے آفتاب چندے ماہتاب ہونا چاہیے۔ رنڈیوں کے انتخابی ووٹ سے اس گدی کی جانشین یا چودھرائن ماہ منیر اکبر منیر قرار پائیں۔ ان "خاتونان لینیا" کے حسن سیاسی سے کل امور کا فیصلہ جو اچھی اچھی عدالتوں سے برسوں میں طے نہ پائے انکی ایک ادائے مستانہ سے دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوجاتا ہے۔

پرنتو شہر کی تمام طوائفیں دیرینہ حوصلے نکالنے کی غرض سے کبھی کبھی محفل رقص و سرود اور جلسۂ عیش و نشاط قرار دیا کرتی ہیں۔ لیکن چونکہ کوئی اصلی قوت انکو حاصل نہیں۔ لہذا اکثر بازیچۂ طفلاں بنکر تماشیں تماشیں فش ہوجاتا ہے۔

چودھرائن کے جلسے میں معلم الملکوت کے انتظام سے کسی قدر لطف جسمانی و شغف روحانی حاصل ہوتی ہے۔ رشک منیر کی چھٹی کو دیکھنے والے تو اس عظیم الشان جلسہ کے مزے ابتک

لوٹ رہے ہیں۔ اور کہنے والے کہتے ہیں کہ اب ایسا دلکش سین اس عالم اسباب میں نظر آنا مشکل ہے۔ چھٹی کے بعد سے ان پریوں کا خاموشی کے ساتھ سناٹا کھینچنا تعجب خیز امر تھا۔ خدا خدا کر کے پھر سردی کے زمانہ میں طبیعتوں میں گرمی پیدا ہوگئی۔ اور جھٹ رشک منیرؔ کی روزہ کشائی کے جلسہ کی ٹھہرا دی۔

نورے کی تقسیم باقاعدہ بہ حیثیت سے معہ اتن برتن کے ہوئی شہر کے تمام رئیس از کہ تا مہ مدعو کئے گئے۔ رنڈیوں کو بلاوے دیئے گئے۔ گویا عید میں دوسری عید کا سامان ہونے لگا۔ جلسہ کا دارالقیام آغائی صاحب کا باغ تجویز ہوا جو ایک غیر آباد جگہ تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ حسین مہ جبین لولیوں کے واسطے یہی مقام مناسب اور موزوں تھا۔ کیونکہ بقول داغؔ ؎

بتانِ ماہوش اُجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں
کہ جسکی جان جاتی ہے اُسیکے دل میں رہتے ہیں

قیاس اقترانی کے لحاظ سے بعض کوتہ اندیش حکم لگا بیٹھے تھے کہ ڈاکہ ضرور پڑے گا۔ اس خیال سے پولیس کو ایک نگاہ دلفریب سے اشارہ کر دیا گیا۔ مکان کے اردگرد پہرہ مقرر ہوگیا۔

جلسہ کا سین قابل دید تھا۔ ۱۹۱۹ء میں تاریخ عید کی منگل کے روز آغائی صاحب کے باغ میں شام سے چہل پہل ہے۔ شاہراہ پر روشنی کے کھمبے لگائے گئے ہیں۔ گلاس روشن کئے جاتے ہیں۔ بگھیوں کی متواتر آمد و رفت سے خاک اُڑ رہی ہے۔ بگھیوں میں کسی میں کچھ رئیس ہیں۔ کچھ ارباب نشاط بیٹھے ہوئے باغ کی طرف آ رہے ہیں۔ بگھی ایک وسیع پھاٹک کے قریب آکر ٹھہر جاتی ہے۔ میزبان مہمانوں کے خیر مقدم کے لیے مستعد ہیں۔ باغ میں جابجا گیس کی روشنی آنکھوں میں خنکی اور فرحت پیدا کر رہی ہے۔ اسی باغ کے پہلو میں ایک وسیع بارہ دری ہے جس میں گیس کی روشنی بافراط ہے۔ دو وسیع نمگیرے صحن میں کسی معشوق کے خراج کی طرح کھنچے ہوئے ہیں۔ صحن کے وسط میں سفید چاندنی کا فرش بچھا ہے۔ جس پر تمام میراثی ڈاڑھی گویے بیٹھے ہوئے ہیں۔ گرد اگرد چوکہ لگا ہے۔ جس پر تماشائیوں کی وہ کثرت ہے۔ کہ خدا کی پناہ۔ آدمی پر آدمی ٹوٹا پڑتا ہے۔ چوکے کے بعد اور ایک وسیع اور بلند تختہ بندی ہے۔ جس پر اونی غالیچہ کا مکلف فرش بچھا ہوا ہے۔ جہاں کسا ہم پریزادان شاہد کا ہجوم ہے۔ حسین حسین رنڈیاں بیگے بعد دیگرے آتی جاتی ہیں اور بیٹھتی جاتی ہیں۔

چھوٹی جان اودی ساری سنہری بیل بوٹے کی بنارسی زیب جسم کئے عجب تبسم آمیز

اوا سے گلوریاں تقسیم کر رہی ہیں۔ حسین کمسن رنڈیاں ؂

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

نکیلی سجیلی، رسیلی، زیور مرصع سے آراستہ پیراستہ۔ روئی فلک کی خالہ بنی ہوئی ؂

پڑ گئی آنکھ جو ان چاند سے رخساروں پہ

لوٹتے کبک نظر آ گئے انگاروں پر

صورت شکل میں حور کی بچیاں۔ زاہد صد سالہ دیکھ پائے۔ تو منہ میں پانی بھر آئے بیاختہ کہہ اٹھے ؂

حاضر ہیں ہم تو دینے کو دل بلکہ جان تک

لینے کو نام بھی کہیں آوے زبان تک

جسکی طرف نظر اٹھا کر دیکھ لیں۔ فوراً کلیجہ تھام لے۔ اور سکتہ کی حالت ہو ؂

دل میبرد ز دستم صاحبدلاں خدا را

دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

صاحب خانہ بدرمنیر کریب کا دوپٹہ سرخ بھچہ بدار گرنٹ کا پائجامہ اور سیاہ مخملی باڈی گلے میں موتیوں کا مالا۔ ماہ منیر گلابی کریب کی باڈی کارچوبی زیب جسم کئے ہوئے۔ گلابی ساری ریشمی۔ کانوں میں ہیرے کے اینڈ سر پر اسٹار دمکتا ہوا۔ گلے میں موتی اور ہیرے کا مالا۔ ایک انجمن آرا دوسری ملکہ مہر نگار بنی ہوئی ایک میم صاحب تو دوسری ہندوستان کی پری کا پارٹ کئے ہوئے ایک پائوں سے ٹہل رہی ہیں۔ کبھی اسکی مزاج پرسی ہو رہی ہے کبھی اسکی پیشوائی ہو رہی ہے۔ اور اپنے مزاج ہی نہیں ملتے۔ گویا چھلاوہ بنی ہوئی ادھر آئیں اور ادھر چلی گئیں۔ تمام رنڈیوں کا جتھے کا جتھا ایک ہی مقام پر جلوہ گر ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ پرستان کی پریاں اتر آئی ہیں۔

انکی پشت پر کچھ کرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔ اسپر کچھ لوگ مؤدب تر دماغ دست بستہ لئے تو بہ صف بستہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ جن کے زمرہ میں مہندی والے داروغہ محمد خاں خشوک خوش علاقہ کے زخمہ ستار بنے ہوئے قابچ زدہ تیز ہاتھ سکے ہوئے سب کا منہ چڑھا رہے ہیں۔ اور حق نواحہ تاشی ادا کر رہے ہیں۔

خاص بارہ دری کے اندر کچھ لوگ بیٹھے ہیں کچھ ٹہل رہے ہیں۔ رؤسا شہر کو مکھوں پر

بالباس تکلف جلوہ گر ہیں ۔ اتنے میں ارباب نشاط میں سے ایک کمسن پری معہ سازندوں کے مستعد ہو کر ناچنے لگی ۔ ابھی کچھ تھوڑا ناچنے گانے پائی تھی کہ دوسری تیر جاں ستاں کی طرح آموجود ہوئی ۔ اس کے بعد ایک کم سن مگر کھیلی کھائی ہوئی دلربا جدّو کچھ ناچی گائی ۔ اس کے اٹھتے ہی محسن جان آئی ۔ پھر مہر منیر بھی خوب گائی ۔ پھر مہراج بندادین کے روشن چراغ اچھن نے گت میں وہ وہ توڑے لئے کہ پر گاس کی روح شاد ہو گئی ۔ خاصکر گھنگرو بجانے میں سپوت نکلا ۔ پھر اسی قافیہ اور حروف تہجی کی قید سے بمبئی والی اچھن بھی اچھا گائی ۔ ان سے بار بار بھاؤ بتانے کو کہا گیا ۔ لیکن گرانی کے زمانہ میں بھاؤ بتانا ۔ انکو مناسب نہ معلوم ہوا ۔

پھر کشمیریوں میں ظفر کی باری آئی ۔ اس نے فسانہ عجائب کا ناٹک بہت کچھ ساز و سامان سے دکھانا چاہا ۔ لیکن قلت وقت کے سبب سے تماشا نامکمل ختم کر دیا گیا ۔

پھر کانپور والی بے نظیر جو کسی قدر عاشق مزاج معلوم ہوتی ہے ۔ اچھے اچھے گرہ بند گائی ۔ اس کے بعد وزیر جان لکھنوی ، محبوب جان کانپوری ۔ ماہ منیر کانپوری ۔ لاڈلی بیلی بھیت والی گائیں ۔ اور خوب گائیں ۔

پھر فضل حسین کشمیری کی باری آئی ۔ اس کے ساتھی نقال بیوی قدر نے اچھی اچھی نقلیں کیں ۔ پھر وارث حسین بھی خوب گایا ۔ اس کے بعد سیتاپور کی کلو ۔ پھر محمدی جان نے قابل تعریف گانا گایا ۔

پھر گویوں کی باری آئی ۔ احمد خان ، خورشید علی ، بڑے منے خان ، خوب خوب بلیاں لڑایا کئے سو روپیہ مبارکباد کا دیا گیا ۔

ان کے علاوہ شبیدا زہرہ ، چندہ ، پنا ہیرا ، بسم اللہ ، فیروزہ ، مشتری ، بگن ، کالکا پرشاد والی شہزادی ، ملا فن ، ممولا ، ہیرا ، شہزادی سلیم اللہ والی ، حیدر جان چوڑے والی ، بنداد ین اس جلسہ میں گانے ناچنے کی نعمت عظمیٰ سے محروم رہ گئے ۔ خورشید منیر اور ماہ منیر کو بھی یہ دولت نصیب نہ ہوئی ۔ کیونکہ وقت قلیل تھا حقیقت میں اگر یہ محفل دو روز میں ختم ہوتی تو شاید مشہور طوائفوں کو ناچنے گانے کا موقع ملتا ۔

تمام محفل رنڈیوں سے بھری ہوئی تھی ۔ رنڈیاں دور دور سے آئی تھیں ۔ بعض مع اپنے بچوں کے موجود تھیں ۔ جن کے لئے چودہری ان کے یہاں آنا فرض تھا ۔ کم سے کم ڈیڑھ سو کے قریب رنڈیاں ہونگی ۔ اگر کوئی رئیس لاکھ دو لاکھ روپیہ صرف کرتا جب بھی یہ کیفیت بعنوان شائستہ دیکھنا نصیب نہ ہوتی ؏ انچہ مے بینم بہ بیداری ست یارب یا بخواب

رات بھر کے جاگے ہوئے معشوقوں کو نیند کا سخت غلبہ ہو گیا ۔ اور مجبوراً گیارہ بجے دن کو

جلسہ کا اختتام کرنا پڑا۔ اور وہ پیاری پیاری دلربا صورتیں چشم زدن میں نظروں سے غائب ہوگئیں

یہی خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

وہ سماں ابتک آنکھوں کے سامنے پھر رہا ہے۔ اور عاشق مزاج دل ہی دل میں مزے لے رہے ہیں ۔○

کوئی نام و نشاں پوچھے تو اے قاصد بتا دینا !!
تخلص داغ ہے وہ عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں

بُلبُلِ ہند

"بلبل ہند" لکھنؤ میں ایک مشہور پیشکار تھا، ہندوستان کی ہر ایک رنڈی اس کے نام سے آشنا ہے۔ پرندوں کے ایک ایک عضو کی تشریح جس عنوان شائستہ سے وہ بیان کرتا تھا آج ویسی شرح گلستان کی بھی کسی نے نہیں لکھی۔ ایک بلبل چہک رہا تھا۔ سامعین کے پیٹ میں بل پڑ جاتے تھے۔ رنڈیوں کا سراپا کھینچتے ہیں تو بہزاد و مانی کے کان کاٹتے تھے۔ دبلا پتلا منحنی آدمی۔ مگر [illegible] [illegible] کی [illegible] تھا کہ اس کی زبان سے وہ جملے سنو۔ اور توسن طبع دولتیاں نہ اچھالنے لگے۔ پیکتی کی لت اس غضب کی تھی کہ [illegible] فاقہ سمجھے۔ شر [illegible] کی بدولت ہزاروں مرتبہ کچہری میں [illegible] ہوا جوتیاں کھائیں۔ تھانے میں کھنچے کھنچے پھرے۔ کچہری میں جانے بھگتے۔ [illegible] کی گالیاں کھائیں۔ مگر [illegible] نہ چھوٹی تھی

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

آخر پیشہ کی ذلت سے چھڑانے کو گرم اجل نے دبوچ لیا۔ اور چند روز مرض الموت کے بعد رات ہی رات دار الشفاء شاہی میں ٹھنڈے ٹھنڈے عدم کو سدھارے۔ دو چار جگت آشنا یہ کہکر آبدیدہ ہوئے ۔۔○

[illegible]
[illegible]

[illegible]

سیاہ پوش رنگی۔ مگر صدائے برنخواست۔ کسی معشوق مزاج کے تیور کبھی میلے نہ ہوئے۔ اتنی توفیق بھی نہ ہوئی۔ کہ غریب کے نام پر کسی بھوکے تماشبین کو کوئی چیز دیدیجاتی۔

شاگردوں نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے۔ مگر مفلسی کا برا ہو۔ کہ فاتحہ بھی نہ دلا سکے آخر اسی وبال کے ہاتھوں قحط سالی کے آثار نمودار ہوئے۔ اور سب کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو گیا۔ لیکن قسمت میں حرام کے پیسہ سے فاتحہ لکھوا چکا تھا۔ بلبل ہند کا چہلم نہ ہو اس کے کیا معنی۔

اس قحط اور گرانی کے پر آشوب زمانہ میں جب کسی کی دعا اور نماز سے پانی نہ برسا تو رنڈیوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم بھی کوئی نیک کام کریں۔ شاید تیر نشانہ پر بیٹھ جائے۔ زناہڑ نے بی اودھا بگن کو اُبھارنا شروع کیا۔ کیونکہ تو دولتوں ہیں قضا و قدر نے اس کا نمبر پہلے چپکا دیا تھا ع

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

شاہی زمانہ میں ممولا جان بائی تھی۔ جس کو تیبیوں کا بہت شوق تھا۔ تین بچوں کو پالا تھیں۔ شیریں جان، محبوب جان۔ چھبن جان، آخر الذکر عبد اللہ ٹھاٹھری کی آشنا تھی۔ اور وہی ان کو قسائیوں کے پھندے سے چھڑا لایا تھا۔ اور تعلیم دیکر رنڈیوں میں شامل کرا دیا۔ ان کے بھائی محمد حسین بھی دُم چھلے کی طرح ہمراہ رکاب تھے۔ جن کی ذات سے اودھا بگن اور سجاد کی صورت عالم ایجاد میں آئی۔ اودھا بگن کی روزی کا دروازہ جب کشادہ ہو گیا۔ تو محمد علی سے صاحب سلامت رہی۔ آخر گنیش پرشاد کوتوال کی اولی میں پیش ہو گئیں۔ یہ اُمید کہاں تھی۔ کہ اب زندگی بھر کوتوال کے پھندے سے چھٹنا نصیب ہوگا۔ لیکن کمائی کھا بیوالوں کی قسمت رسا تھی۔ کوتوال جب بیخانہ ہوا کھانے چلے گئے اور یہ قید سے رہا ہو گئیں۔ تقدیر کا پتہ جلیبی رہا کر الٹ گیا۔ اب کیا تھا خوشامد خوروں نے چالیس فوج در فوج گھسنے لگے۔ اور تعمیر عمارت کا شوق بڑھتا گیا۔ سجاد کے دو لڑکے تھے۔ رنڈیوں کے خاندان میں تو لڑکیوں کی بیاہ ہوتی ہے۔ مگر ان کی خوش نصیبی سے لڑکے بھی کچھ لڑکیوں سے کم نہیں کماتے ہیں ہاں فرق صرف اتنا ہے کہ کسی کو پیچھے سے کچھ آتی ہے کوئی آگے سے تنبیہ ہوتا ہے۔

آخر صلاح یہ ٹھہری کہ دونوں کی بسم اللہ کا دھوم دھام جلسہ ہونا چاہیے۔ زندگی میں کچھ دل کے ارمان نکلیں۔ کھانا کمانا تو رزق کا ہے۔ یہ چکی تو قسمت میں ہمیشہ سے لکھی ہے۔ مگر جلسہ ہو تو کیونکر ہو اسواسطے کہ چودہرائن، بدرمنیر، ماہ منیر کی برادری سے تو خارج ہو چکی تھیں۔ کسی مجرے میں اودھا بگن اور کامنی کو سوار کیا وہلی۔ یہ اکیلی اسکر چلتی ہوئی۔ اسکی پنچایت نہ ہوئی۔ یہ کچھ کنمنائیں برادری سے نکالی گئیں۔ دل نے صلاح دی کہ اس کا مشورہ اللہ باندی سے کرنا چاہیے۔ وہ بیوپار ٹیپ لیا چکی ہے۔ یہ اب

اللہ سے چاہتی تھی کہ کوئی بھٹ رنڈی ہتھے چڑھے۔ ایک تو چاولی والی نظیر اسے خارج کر چکی تھی۔ دوسرے کربلا میں ذلت ہوئی۔ آخر تو تو میں میں کے بعد یہ بات قرار پائی۔ کہ ہم تم دونوں چودھرائن بنجائیں۔ کچھ گنڈوں کو دینے لینے کا وعدہ کر کے ابھار دو۔ وہ رنڈیاں اکھیڑ لائیں۔ خدا کے فضل سے یہ بات تمکو آسان ہے۔ تمہارا بھائی سجاد بڑے بڑے نوابوں کی دولت گھسیٹا کرتا ہے۔ دوسرے ایک شیطان صورت چنڈو باز مرزئی مشہور مرثیہ گو طبل شاگردی بجاتا ہے۔ کچھ حکاکوں سے کہو یہ بھی سازنگیوں ہیں شامل ہیں۔ دن بھر گز بجڑے ہوئے تنا رین رین کیا کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو عروج دو۔ جو سب رنڈیوں کو بہکاتا پھرے کہ تمہیں چودھراین گالیاں دیتی ہیں۔ حقیر سمجھتی ہیں۔ شہروں شہروں گاؤں گاؤں جاؤ ایک ایک ڈیرہ دار کو ملاؤ۔ آخر جابجا خفیہ کارروائیاں شروع ہو گئیں۔ اور رنڈیوں میں چودھرائن کی طرف سے برہمی پیدا ہو چلی تھی کہ بدتمیز چودھراین کو حیدر آباد میں یہ خبر ملی۔ وہ پیٹ پکڑے ہوئے فوراً لکھنؤ آدھمکیں۔ رنڈیوں کو بلا کر پنچایت کی۔ ملکہ اور لطیفاً کے شکوے رفع کئے۔ سب رنڈیوں کو تسلی اور تشفی دی۔ بمبئی۔ کلکتہ۔ حیدر آباد۔ عظیم آباد۔ میرٹھ بنارس۔ الہ آباد۔ کانپور۔ آگرہ۔ باندہ۔ رامپور۔ تار دیئے کہ ہمنے اس وجہ سے او ہاگن کو خارج کر دیا ہے اب کوئی رنڈی ان کے جلسہ میں شریک نہ ہو۔ جب لکھنؤ میں کام نہ نکلا۔ تو بریلی اور رامپور گئیں۔ انہوں نے کہا ہمکو چودھرائن کا تار آچکا ہے۔ ہم نہیں شریک ہو سکتے۔ پھر دیہات کا قصد کیا۔ وہاں بھی چودھرائن کے خطوط روانہ ہو چکے تھے۔ لہذا بے نیل مرام واپس آئیں۔ بہت سے گنڈوں نے زور لگایا اور بہکایا مگر کچھ پیش نہ گئی۔ تین لڑیاں خارج شدہ تھیں۔ کلو۔ وتی۔ ونمو اور نیوتنی کی شریک ہوئیں۔ جلسہ کا سامان شروع ہو گیا۔ مکان میں اندر باہر استر کاری ہوئی۔ کھانا پکا۔ حصہ تقسیم ہوا۔ مگر نیت بخیر نہ تھی۔ کھانے نے رعنی طباقوں کے ساتھ ساز کر لیا۔ اور سب کھانا کڑوا ہو گیا۔ دوسرے بلبل ہند کی روح بھوکی تڑپ رہی تھی۔ بھلا وہ کب کسی کو ٹھنڈے پیٹوں کھانے دیتی۔ قہر درویش بر جان درویش۔ دوبارہ کھانا تقسیم کیا گیا۔ ملیح آباد کی مہندی پر بہت زور لگاتے گئے۔ وہ اس اقرار پر راضی ہوئی۔ کہ اگر نتھی شریک نہ ہوگی۔ تو میں آؤنگی۔ جلسہ میں آئی نتھی کو دیکھکر نہ حقہ پیا نہ پان کھایا۔ سیدھی اٹھی چلی گئی۔

نقن گونڈہ کی طوائف کے کپڑے کسی عاشق مزاج نے تیزاب ڈالکر جلا دیئے۔ بیچاری کا بہت نقصان ہوا۔ دوشنبہ کے دن ٹھاٹ سے ٹھاٹھ بندی ہوئی۔ روشنی شروع ہوئی۔ رئیسوں کو داخلہ کے کارڈ بھیجے تھے۔ بغیر کارڈ کے کوئی آنے نہیں پاتا تھا۔ بجلی کی روشنی نور کا عالم۔ کوٹھوں پر کرسیاں میزیں بچھی تھیں۔ پان سگرٹ موجود۔ محفل بہت اچھی سجی تھی۔ رات کا دن تھا۔ مسلمان و ہندو علیحدہ علیحدہ کرسیوں پر جلوہ گر۔ جو آتا تھا۔

دس روپیہ سے تین روپیہ تک نیوتہ کے دیتا تھا۔ نوکری سے برطرف تھیں یہ تحصیل اسواسطے کی گئی۔ کہ کچھ دنوں تک بیٹھکر کھائیں۔ شہر کے بہت سے رئیس شریک جلسہ تھے۔ تعجب تو یہ تھا کہ ایک مقدس مقام کے مولوی مفتی بھی شریک جلسہ تھے۔ حیدرآباد کے ایک وکیل جن کے نام کے ساتھ بیوقوف کی دم لگی ہوئی ہے۔ ڈٹے ہوئے تھے۔ اور بہت سے اللہ کے ولی موجود تھے۔ شہر کے نامی گرامی حکیم صاحب الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی سفتہ گوش بنے ہوئے سجاد کی شاگردی کا حق ادا کر رہے تھے۔ رنڈیوں کی طرف سے صفر تھا۔ کچھ گڑھے والی سرائے کی ٹکاہیاں کچھ نئے گاؤں کی خانگیاں شریک حال۔ کوئی صورت ایسی نہ تھی جو دل کو لبھاتی۔ کوئی آواز ایسی نہ تھی جو فرحت بخش ہوتی۔ گانے والیوں کا قحط تھا۔ پہلے خود ناچیں۔ پھر رئیس بھانڈ۔ پھر باندے والی مجھری ناچنے کھڑی ہوئی تھی۔ کہ پائجامہ کھل گیا۔ ایک تالی اور سناٹا چھاگیا اور ایک قہقہہ پڑا۔ پھر اللہ باندی کی لڑکی نبنی۔ پھر محمد بھانڈ اور رحم دلی ناچا۔ جوان بڑھیاں لنگڑی لولی سب ملاکر سترہ رنڈیاں جن کے واسطے دو مہینہ تک دوڑ دھوپ رہی۔ دو چار مصنوعی رنڈیاں بھی شریک حال تھیں۔ بی اللہ باندی نے بھی مجرا کیا۔ اور پھر سجاد نے باجا بجایا۔ باقی رات بھر بھیروں ناچا کیا۔ گویا پہلی بسم اللہ غلط ہوئی۔ اس خوشامد پر بھی رنڈیاں شریک نہ ہوسکیں۔ صبح ہوتے ہوتے جلسہ برخاست ہوا۔ پہلے ایک مقدس مولوی منہ چھپائے ہوئے نکلے۔ جاناہی چاہتے تھے پھاٹک سے قدم باہر رکھتے ہی بلبل ہند منمناتا ہوا قدموں پر گر پڑا۔ خدا سلامت رکھے۔ غلام نے جسدن سے انتقال کیا۔ روح ایک ٹکڑے روٹی کو ترس رہی ہے۔ شراب تو کہاں ممکن اب کوئی کھانے کو بھی پوچھنے والا نہیں۔ آج چالیسواں دن ہے جو جڑہ دیا گیا کسی نے ایک چلو بھر پانی بھی نہ دیا۔ روح پر فشار قبر کیا کم تھا جو بھوک کا عذاب سہتی۔ کمترین قصاد قدر کو دم دلاسا دیکر پھاٹک تک آیا ہوں۔ حضور سے ایک گذارش ہے۔ دعا مگن نے جو پہلے حصہ بانٹا تھا اور خوش نیتی سے کٹواسے تھیں لگتی تھی جس کے جرم میں دوبارہ گنہگاری دینی پڑی تھی وہ فاضل رقم ہاتھ اٹھا کر میرے نام بخشدیجئے۔ آپ کو بھی ثواب ہوا اور میرے چالیسویں کا کام بھی ہوجائیگا۔ جوڑے کی فکر پھر کبھی اور کر لونگا۔ فی الحال چالیسواں کہہ تو معلوم ہوجائیگا۔ کہ بلبل ہند کا چالیسواں اس دھوم دھام سے ہوگیا۔ مولوی صاحب نے ہر چند جان چھڑانا چاہی۔ بہت کچھ لاحول پڑھا۔ مگر وہ کب کھسکنے والا تھا۔ دوسرے چالیس روز کے فاقہ سے صورت سوال ہوگئی تھی۔ ملا کو رحم آگیا۔ ہاتھ اٹھا کر فاتحہ دیدیا اور ثواب بلبل ہند کی نذر کردیا۔ وہ یہ کہتا ہوا اپنے مقام پر واپس ہوگیا۔

میر امرنا کے گھر شادی ہوئی خون کے چھاپے لگے دیوار میں

رنگ میں بھنگ

خدا آباد رکھے لکھنؤ کو پھر غنیمت ہے
نظر آتی ہے شہری زندگی کی صورت یہی جا کر

واللہ غنیمت ہے۔ لاکھ لکھنؤ سٹ گیا۔ پس گیا۔ قحط سالی سے تباہ ہو گیا۔ کھنڈر گیا۔ طاعون نے زور لگا کر صفا چٹ میدان بنا دیا۔ مگر ماشاء اللہ اس بڑے شہر کے وہی دم خم ہیں۔ اس میں کوئی مہینہ عید سے خالی نہیں جاتا۔ اور پھر یہ خوشی دن دونی رات چوگنی ہوتی جاتی ہے ؎

آسماں کی کب ہے طاقت جو چھڑائے لکھنؤ
لکھنؤ مجھ پر فدا ہے میں فدائے لکھنؤ

ہندوستان میں جہاں ملکی بہی خواہوں کے دو گروہ ہیں۔ اور اپنی قوم کے پولٹیکل معاملات کے کھیل کانٹے کے درست کرنے میں سرگرم پائے جاتے ہیں۔ جن کو کانگریس اور کانفرنس کے معزز خطاب سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ وہاں خدا رکھے لکھنؤ میں ارباب نشاط کی بھی دو پارٹیاں ہیں یا یوں کہیئے کہ طوائفان شہر کی دو ٹکڑیاں ہیں۔ جیسے بہار کی ناخدا ترس مد تکمیر و ماہ منیر عرف ننھوا بچوا ہیں۔ ایک چھوٹی کشتی جو ڈگمگوں ڈگمگوں ہے کہ سدے اسکی ملاحی پروانہ بھر فقار کے ناتھوں ہے ؎

آوسیاں گشتہ ملک خدا خدا گر نیست

کے مصداق ہو کر چاندنی والی نظر کے حصہ میں آتی ہے۔ اول الذکر جو دہرائن کہلاتی تو خدا کے فضل سے سال بھر میں ایک آدھ دھوم دھام کی جلسہ ہو جاتا ہے۔ ابھی دو چار دن کی بات ہے۔ رنگ منی کی چھٹی تھی وہ قیامت کی پریزاد ورانی محفل تھی۔ کہ سبحان اللہ چشم فلک نے بھی نہ دیکھی ہوگی۔ ہندوستان کی مشہور اور حسین طوائفوں کا جمگھٹا تھا۔ جو دیکھ چکا ہے اسکی تمنا سے ساری دنیا کے جلسے اتر گئے اور جس نے نہیں دیکھا۔ وہ آج تک کف افسوس ملتا ہے۔ اس جلسہ کا رشک [illegible] پارٹی کو بہت کچھ ہوا۔ اور ایک مدت سے یہ خیال گدگدا رہا تھا۔ کہ کوئی موقعہ ملے تو اس کا جواب دیا جائے۔ خدا خدا کر کے بی اللہ باندی کے یہاں نواسی نہیں تو نواسا پیدا ہوا۔ یا ناچار خوشی کا صیغہ گردانا پڑا۔ اگرچہ زمانہ سلف میں مدت حمل نو مہینہ تھی۔ مگر زمانہ نے ہر نہج میں ترقی کی ہے۔ برسوں کا سفر دنوں کے

ذریعہ سے دنوں میں طے ہوتا ہے۔ تار برقی چشم زدن میں صدہا کوس خبر پہنچ جاتی ہے۔ مرغی کے
بچے ۲۱ دن کی جگہ چشم زدن میں کل کے ذریعہ سے اُچھلتے کودتے نکل آتے ہیں۔ پھر مدت حمل کا
گھٹنا کچھ تعجب خیز امر نہیں۔ ننھی تو فرزند پیدا ہونے سے باچھوں تک کھل گئی۔ بڑے بڑے ساجی مارے
خوشی کے کُپا ہو گئے۔ نانی کے اگلے پچھلے آشناؤں میں مسرت کی ہنڈیا گرم ہونے لگی۔ شیخ، سید، مغل
پٹھان، ماسٹر، مسٹر، ایرا غیرا نتھو خیرا ہشاش بشاش نظر آتے تھے۔ خواجہ بدیع الزماں تو مارے
خوشی کے منہ سے طبلہ بجا رہے تھے۔ اور ہمارے خاں صاحب جن کا عاشقی میں نمبر حدِ جنون تک پہنچ چکا
ستھا ریشہ خطمی ہوئے جاتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ پختہ انناس پھٹ کر رہ گیا ہے۔ ادھر اچھن
اپنی بہادری جتا رہا تھا۔ عجب ہم پرچ تھی۔ کوئی کس کی سُنتے اور کس کی نہ سُنتے۔ غرضکہ پُرانے برتنوں
پر نئی قلعی اور نئے برتنوں پر جدید پاؤڈر ہونے لگا۔ گھر کی ذرا ذرا سی چیز مانجی گئی۔ صاف کی گئی
زر کی طرف سے مالدار آمد حکایت کنند۔ اب دوسرا پہلو بھی نواسہ کی تشریف آوری سے قوی ہو گیا۔
ایک میراثی بھی گھر کا ہو گیا۔ اس خوشی کا کیا پوچھنا۔ مثل مشہور ہے جیسی روح ویسے فرشتے
اللہ باندی کی چودھراہٹ چاول والی نظیر تھی۔ لیکن انکو ان سے کسی قدر نفرت تھی۔ وجہ یہ تھی
کہ یہ ادھی گُمتا کی لونڈی زینت اور زینت کی بہو زہرہ نظیر۔ گو ور گو۔ عجیب الطرفین۔ پھر انکی صاحبزادی
بچھا چو رضا حسین چوبدار سے ہے جنکی خدمت میں امراؤ کا لڑکا ظہور ہر وقت پیش رہتا ہے۔ اس
سبب سے چاول والی ہمسر شیخی کی مستحق تصور کی جاتی تھی۔ اور چودھرائن کا یہ خیال کہ آبادی
جان گوری بی بی کی لونڈی ایک گورے سے پیدا ہوئی۔ اللہ باندی کھلونہ بھانڈ سے پیدا ہے
اماں کی ماں ابھی موجود ہے۔ یہ سب تحقیقی ہے۔ اُکی ذات میں کون بٹہ لگا سکتا ہے۔ آخر اتفاقی
کی بم پھوٹ نکلی۔ چار رنڈیوں کی چودھراہٹ کتے کے منہ کی ہڈی ہو گئی۔ دلوں میں نزاع پڑ گئی۔
آپس میں کھٹ پٹ شروع ہو گئی۔ ظاہر میں تو [illegible] بازاریوں کے بارے میں چہ میگوئیاں جاری تھیں۔ ایک
ڈھاری خان کی رائے کچھ خلاف تھی۔ [illegible] کوئی کہتا تھا کہ کالی
امراؤ کا حق ہے۔ کوئی کہتا تھا گوہر کے وقت تک چودھراہٹ کا منصب ختم ہو گیا چونکہ چاول والی نظیر
اپنی دال گلا چکی تھی ؎

[illegible]
[illegible]

چودھراہٹ کی چھینا جھپٹی کو [illegible] ساختند۔

کہیں لونڈیوں سے یہ کام چلتے ہیں۔ آخر شیطان کی مدد سے لگا فضیحتی گالی گلوچ جوتی پیزار کے بعد اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ کی ٹھہری۔ ادھر چودھرائن کو یہ خیال کہ اب تو اسے پیدا ہوا ہے۔ اللہ باندی دل کا بخار نکالنے کو جلسہ ضرور کرے گی۔ چھٹی قریب ہے۔ رنڈیاں میری بال باندھی لونڈی ہیں اپنی غرض کو آپ ہاتھ جوڑینگی۔ منتیں کرینگی۔ قدموں پر سر رکھیں گی۔ ایسے موقع پر نہ ویں تو کب دینگی۔ ادھر اللہ باندی کا یہ دماغ کہ مبلغ علیہ السلام کی بھر مار ہے۔ درجنوں نوکر ہیں۔ دوپہر کے الگ۔ شام کے الگ۔ رات کے الگ۔ صبح کے الگ۔ چودھرائن تو مجھکو ہونا چاہئیے تھا۔

اصل جھگڑا یہ تھا کہ چند ڈومنیاں اس بات پر کھنچے ہوئے تھے کہ رنڈیاں ہمارے یہاں حصہ بھیجا کریں نظیر کو یہ عذر کہ جس طرح یہ لوگ ہمیشہ سے اپنا حصہ لیجاتے تھے بدستور سابق وہی طریقہ رکھیں۔ کیونکہ یہ ہمارے ہاتھ کی دیکھنے والی قوم ہے۔ اللہ باندی یہ کہتی تھی کہ جیسے سر پڑے اس وقت بہت خوشامد چاپلوسی سے اپنا کام نکالو۔ دوسرے چونکہ خود ڈومنی تھی اسکی کوریجی خود ڈومنیوں کی طرف دبتی تھی جھٹ عاشق علی والے سارنگیوں سے گٹھ گئی۔ مگر بجو خاں والے سازندے مبارکباد کے جھگڑے کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے۔ گویا طبلیہ سوائے بنی خاں کے ایک بھی نہ تھا۔ تمام تن تن زینی خاں خلاف تھے۔ جب ادھر سے پکی پوڑی ہو چکی۔ تو منہ چھونے کے طریق سے نظیر جان کے پاس گئیں۔ اور بہت کچھ رد و قدح ہوئی۔ یہاں تو پہلے ہی کھچڑی پک چکی تھی۔ نظیر کے قانونی دلائل نے کچھ اثر نہ کیا۔ اور اس کا منصوبہ اس کے ذہن کے پیچوں بیچ میں اچھی طرح نہ جما۔ کچھ پہلو تہی کی۔ کچھ کہن کہنائیں۔ اس نے کہا مانو تو مانو۔ نہ مانو تو اپنے گوبند کو یاد کرو۔ تم اسی طرح پسٹر جاؤگی۔ تو میرا دستر کیونکر قایم رہیگا۔ مثل ہے کہ ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا ہے کہ ادھ نکھٹے کو ٹھیلنے کا بہانہ۔ یہ کھٹ سے علیحدہ ہوگئیں۔

چھٹی کی بارات کا انتظام ایک پرانے چھنتے کی طرف سے ہونیوالا تھا۔ ۹ فروری ۱۹ء بدھ کی سہ پہر کو چھٹی کا جلوس سر چوک بیک بینی و دو گوش نکلا۔ بکر منڈی سے بقر عید کی بچی کھچی راسیں خریدیں گلے میں رسی اور رسی میں گلا۔ بکریوں کا گلہ جا چکا۔ تو مرغیوں کا ڈربہ کھل گیا۔ کچھ ہٹیل اور کچھ جڑیل کچھ سبز وار کچھ اسیل۔ کچھ شیخی کچھ کر کناتھ۔ اس میں نخاس کی رعایت کا خیال ملحوظ خاطر رہے اس کے بعد کرایہ کی کھلی ہوئی گاڑیوں پر دو چار رنڈیاں بھیگی بلی بنی ہوئیں لطور نمونہ پیش کی گئیں۔ لیکن اچھی صورتوں کے ساتھ گھٹیل بدشکل ٹہیوں نے بیٹھکر دیکھنے والوں کے گناہوں کا کفارہ کر دیا تھا کبھی منہ سے صل علیٰ نکلا۔ تو معاً لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنے کی ضرورت ہوئی

۹ و ۱۰ فروری کی شب کو جلسہ قرار دیا۔ نظیر نے شیطانی حد جاری کر کے رنڈیوں کی ہڑتال کر دی تھی۔ اگلی باتکات سے روسی جاپانی جنگ کا مزہ آ گیا۔ لاکھ جوڑ توڑ کئے۔ ہاتھ پاؤں مارے۔ مگر ایک اللہ کی بندی نہ ملی۔ استعمالی چودھرائن کو پانی پی کے کوسنے دئے گئے۔ سارا جلسہ غتر بود ہو گیا۔ چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ کانپور۔ فرخ آباد تک دہائی تہائی مچائی۔ خبرے نباشد اوپر سے زور ڈالا۔ پکڑے دھکڑے۔ دو تین بسرخندیاں بچنیاں مرتبہ رنڈیت سے گری ہوئی بمشکل تمام دستیاب ہوئیں۔ وہ بھی دشت میں آ کر تھے پہ سے اکھڑی جاتی تھیں ؎

گندم اگر بہم نرسد بھس غنیمت است

عالیہ والی ننھی للو کھلونہ کے خدمتگار کے دباؤ سے مجبوراً ادھر لنڈھک آئی تھی۔ باندے والی محمدی یہ سب گلتی کی چار رنڈیاں چوسر کی گوٹوں کی طرح ایک خانہ میں بٹھا دی گئی تھیں۔

پہلے خود لڑکے کی اماں بی ننھی ناچیں گائیں۔ اس کے بعد عالیہ خانم والی ننھی و محمدی نے دفع الوقتی کی۔ سارنگیے بیشک پانسے کی طرح لنڈھکتے پھرتے تھے۔ پھر صادق علی خاں۔ بچے منے خان بلبیان لڑایا کئے۔ اس کہنہ گدڑی میں میل ملانے کے واسطے مولا بائی کی کینز کی بھتیجی ادنا بیگن بھی اسی طرف لوٹ کر آ رہی۔ گدیا ٹاٹ کی انگیا پر مونجھ کی بخیا ہو گئی۔ ان کے برادر ہمزاد سجاد بھی اپنا باجا بیچے سروں میں الاپا کئے۔ اس کے بعد عطائیوں میں خواجہ بدیع نے بھیروں میں میلاد شریف خوب پڑھا ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

باقی رات بھر بھیروں ناچا کیا۔ صبح کچہری برخواس دانہ نہ گھاس۔

فلک کج رفتار نے اس اصلی خوشنودی اور مسرت کے نشہ کو اتارنے کے واسطے جس چاشنی کا استعمال کیا۔ وہ دونوں کے حق میں زہر سے کچھ کم نہ تھی۔ نظیر جان کو یہ غم کیا کم تھا کہ جلد بیٹھ میں بٹہ لگا۔ ڈیرہ داروں میں خفت ہوئی۔ کچھ رنڈیوں سے چشمک ہوئی۔ رقابت کا بازار گرم۔ چوروں نے تاڑ لیا۔ ہو نہ ہو یہ دولت کا نشہ ہے۔ اس کے پاس ضرور اگلی گھر چن ہے۔ کیونکہ بہت سے گھر گھایل کر چکی ہے۔ پرانی خرانٹ ہے۔ آخر رات کو سات طبق زمین کے توڑ کر کارکنان قضا و قدر سیند لگا کر کلیجے کے ٹکڑے زر و جواہر نکال لے گئے۔ صبح اٹھتے ہی دھک سے کلیجہ ہو گیا۔ زمین پاؤں تلے سے نکل گئی۔ اپنی ضعیفی۔ لڑکی کی بدقسمتی یاد کر کے زار و قطار رونے لگی۔ پولیس سرگرم تحقیقات رہی۔ مگر مال نکھا نیوا سلے ٹھاکر مہراج کا پتہ لگا

پھول لگی بازی نو تھا ہی نہیں۔ قسمت میں دولت ہوتی تو گھر سے کیوں جاتی۔ ایک حب بملا۔ اور ڈنڈوت کرنا پڑی۔

اللہ باندی کو جلسہ کی تباہی۔ روپیہ کی بربادی محفل کی بیرونقی کا داغ نہ بھولا تھا کہ زمانہ نے ع

یک داغ نیک ناشدہ داغ دگر نہد

عشرہ محرم میں ماتمی لباس پہنے ہوئے سوگواروں کی شکل بنائے ہوئے تال کٹورے کی کربلا کے پھاٹک کے سامنے والے کمرے سے ماتم داران حسین کا دلکش نظارہ دیکھکر اشک شوئی کر رہی تھی۔ یکایک کسی نیرنگ کے گھائل کو یہ ادا ناگوار خاطر معلوم ہوئی اور جوڑ توڑ کر کے بڑی بےعزتی سے پا بدست دگرے۔ دست بدست دگرے کر کے نکلوا دیا۔ بیچاری بڑی یاس وناامیدی سے وہاں سے یہ کہتی ہوئی نکل آئی ؎

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بےآبرو ہوکر ترے کوچہ سے ہم نکلے

اب یہ غریب دن رات فریاد کیا کرتی ہے۔ اور نظیر جان فریادرس آہی والی مناجات پڑھکر دل کو تسکین دے لیتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ملا لفتی میں چھپنا*

ضرورت ہے

"آجکل ضرورت ہے" کو مشرقی نے زیادہ پاؤں پھیلائے ہیں۔ جس کو دیکھئے ضرورت ہے ضرورت ہے سنئے نقشہ خیال کیجئے۔ تو بیشتر ضرورت اخبار کے کالم سیاہ کئے جاتے ہیں۔
"ضرورت ہے" ایک ایسے خریدار کی جو دگنی چوگنی قیمت دیکر مال منگوالے۔ اسی طرح ضرورت ہے کی بیماری عالمگیر ہوگئی اور کوئی اخبار اس سے خالی نہیں جاتا۔ اس کشمکش سے مجھکو شک ہوا کہ شاید میری ضرورتیں دب کر نہ رہجائیں۔ لہٰذا اس کا اعلان بذریعہ اخبار مناسب سمجھتا ہوں جواب دفتر میں آنا چاہیئے۔
"ضرورت ہے" ایک ایسی ماما کی جو گھر سے مالدار ہو اپنا کھائے ہمارا راگ گائے کھانا پکائے چکی پیسے برتن مانجے۔ جھاڑو دے۔ منہ دھلائے۔ نہلائے دل بہلائے۔ رات کو پاؤں دبائے صورت شکل اچھی۔ نہ چڑیل ہو نہ حور کی بچی ہو۔ امانت دار ہو خدمت شعار۔ کم خرچ بالانشین۔ انجام بیں۔ اکیلی ہو کنبہ میں کوئی دوسرا نہ رکھتی ہو۔ تنخواہ مانگتے ہوئے شرماتی ہو۔
"ضرورت ہے" ایک ملازم کی پڑھا لکھا شریف گھر سے خوشحال ہو۔ بغیر کوڑی پیسہ سودا خرید لائے۔ دن کو مزدوری کرے جو دو چار پیسہ لائے ان میں نصف مالک کا حصہ الگ نکالے۔ شام کو بھیک مانگے۔ اچھے ٹکڑے اینجانب کو دے اور سوکھے آپ کھائے۔ نمک حلال ہو۔ گھوڑے کی گھاس چھیل لائے۔ اونٹ کا چارہ لائے۔ بیل کو سانی کھلائے۔ پانسو روپیہ نقد ضمانت کا ہمارے پاس جمع کردے۔ تنخواہ دیدہ خواہد شد۔
"ضرورت ہے" ایک سوداگر کی منافع کم۔ مال چوکھا دکھلائے۔ ایماندار ہو بیوقوف ہو۔ حلیم ہو باادب ہو۔ اشیائے ضروری مہیا کرسکے۔ دیوالیہ نہ ہو۔ سوال دیگر دام مانگنے کی ہوس نہ رکھتا ہو۔ چھچھورا نہ ہو۔ قرض دینے میں حاتم ہو۔ گھر میں قارون کا خزانہ رکھتا ہو۔ ٹٹ پونجیا نہ ہو۔ عدالت سے ناواقف ہو۔ صاحب مروت ہو۔
"ضرورت ہے" ایک اخبار کی ہفتہ وار شایع ہوتا ہو۔ پولٹیکل سوشل مضامین نمک مرچ لگا کر لکھتا ہو۔ مذاقیہ آرٹیکل میں یدطولیٰ رکھتا ہو۔ ایک ایک فقرہ پر لوٹن کبوتر بنا دے۔ توکل

کے اہم واقعات پر دلچسپی سے بحث کرتا ہو۔ نامہ نگار اچھے رکھتا ہو۔ مضامین چٹ پٹے ہوں۔ ضخیم ہو۔ تعداد اشاعت قیاس سے باہر ہو۔ ایڈیٹر وثیقہ دار ہو۔ پریس ذاتی رکھتا ہو۔ دست غیب ہو۔ گنج فتوحات کے وظائف پڑھا کرتا ہو۔ نہیں تو گھر بیچکر اخبار کی اشاعت کو باقاعدہ رکھتا ہو۔ نمونہ کا پرچہ مفت بھیجتا ہو۔ پیشگی قیمت طلب کرنا غیر مفید سمجھتا ہو۔ لمبے چوڑے نام والوں سے دس دس برس تقاضا نہ کرتا ہو۔ قارون کی دامادی کا فخر رکھتا ہو۔ خزانہ شاہی کا مالک ہو۔ نا دہند خریدار کی شکایت نہ کرتا ہو۔ دامے درمے امداد کا طالب نہو۔ درخواست خریداری مع نمونہ اخبار کے آنا چاہیئے۔

افلاس فنڈ کی سالانہ رپورٹ

پھر پیٹ ہمارا خالی ہے

ڈیر پنچ۔ قومی دریوزہ گر ملکی ٹکر گدے مفت کے ٹکڑے کھا کھا کے اس قدر موٹے ہو گئے ہیں کہ قابل بیان نہیں۔ ملک و قوم سے طرح طرح کی آمدنیاں وصول کر کے چٹ کر گئے۔ اور پھر بھی انکا دوزخ بھرنیکا نام نہیں لیتا۔ برابر صدائیں لگائے جاتے ہیں۔ مڈوانا کی چھوٹے صاحب کی تہائی منجھلے صاحب کی چوتھائی بڑے صاحب کی ہم بھوکوں مرے جاتے ہیں۔ اصل یوں ہے کہ ون روپی فنڈ۔ قحط فنڈ۔ زلزلہ فنڈ۔ آگ فنڈ۔ ردی فنڈ۔ دال فنڈ۔ حرام فنڈ۔ سود فنڈ۔ بکر کوڈ فنڈ۔ روس فنڈ۔ جاپان فنڈ۔ جاڑا فنڈ۔ گرمی فنڈ۔ برسات فنڈ۔ مرغی انڈا توس فنڈ۔ الم فنڈ۔ غلم فنڈ۔ میں چندہ دیتے دیتے اب ہم مفلس ہو گئے۔ گھر میں چوہے قلابازیاں کھاتے ہیں۔ پیٹ پر پتھر باندھے پھرتے ہیں پھر ایسی صورت میں ان بیٹھے تکے فقیروں کو جنھوں نے ہزاروں امیروں کو فقیر کر دیا کہاں سے دیں۔ لہذا افلاس فنڈ کی سالانہ رپورٹ مرسل خدمت ہے۔ ملاحظہ فرما کر حکم مناسب صادر فرمایئے۔

بدنام خلق میں ہے کیوں نام مفلسی کا
کرتے ہیں ہم تو خود ہی سب کام مفلسی کا

دولت لٹا رہے ہیں اپنی شراب پی کر — گویا چڑھا رہے ہیں یہ جام مفلسی کا

شادی میں رنڈیوں کا جلسہ تمام شب ہے — کیوں صبح کو نہ آئے پیغام مفلسی کا

ذلت پسند ہیں ہم محنت سے بھاگتے ہیں — بیجا نہیں ہے ہم پر الزام مفلسی کا

کھیلا جوا تو ایسا کوڑی نہ پاس رکھی — احسان مفلسی کا اکرام مفلسی کا

اس مفلسی کے ہاتھوں بدظن ہیں سب جنا — ناراض سیٹھ جی ہیں انعام مفلسی کا

سرخط لکھا لیا ہے اس بے زری نے ہم سے — کاتب ہے فاقہ مستی اشٹام[1] مفلسی کا

افلاس کے سبب ہیں حاصل فروغ مجھ کو — مشہور ہوں جہاں میں گلفام مفلسی کا

اے مفلسی اٹھا لے اتو جہاں سے مجھکو — اے بے زری مٹا دے الزام مفلسی کا

ہر ایک کا تقاضا ہر ایک کا تقاضا — آغاز میں نہ سوچے انجام مفلسی کا

ہیں گو رخ مہاجن جو بھاگتے ہیں ہم سے — ہمکو سمجھ رہے ہیں سب رام مفلسی کا

قومی براوروں نے کس کس طرح سے لوٹا — ان بھیک منگوں نے بھیجا پیغام مفلسی کا

کیا انجرات زر کے سر میں سما رہے ہیں — گھیرے ہوئے ہے ہمکو سرسام مفلسی کا

افلاس مجھکو باتیں سنوارتا ہے صدہا — گویا غلام ہوں میں بے دام مفلسی کا

ایمان ہو جو قایم تو مفلسی نہ آئے — دشمن قوی ہے گویا اسلام مفلسی کا

آخر تماشبینی ہمکو چڑھا کے لائی — تھا عرش سے بھی اونچا بام مفلسی کا

اخبار کی بھی قیمت دینے سے منہ چرایا — پبلک میں ہم پہ آیا الزام مفلسی کا

آنکھیں چرا رہے ہیں خوش چشم کج کجے
تلخی یہ ملتا ہے بادام مفلسی کا
افسوس اب سمجھ کر غنچے کا دھیان آیا
آغاز میں نہ سوچے انجام مفلسی کا

[1] اشٹامپ کی بیچ چندے میں دے ڈالی گئی۔

چونچ لوٹا اُلو

چونچ لوٹا ایک اُلّو ہے کہو کیسی کہی
دوسرا بھی ابن ہشو ہے کہو کیسی کہی

جھنجھائی محلے میں طرح طرح کے جانور خریدار لاتے تھے۔ اتفاق سے ایک عجیب غریب قسم کا جانور ساکھو کے ایک سوکھے ٹھونٹ پہ بیٹھا ہوا کلیلیں کر رہا تھا۔ چودھری ہیرامن بھی اپنے کندھے پہ جال ڈالے اور لاسہ لئے ہوئے جا رہے تھے۔ جھٹ کپا لگا دیا۔ جانور ہشیار تھا۔ مگر قسمت میں کچھ دنوں قفس کی سیر لکھی تھی اوندھے سیدھے گھسٹتے ہوئے چلے آئے۔ اب جو غور سے دیکھتے ہیں تو اُلو ہے۔ مگر چونچ ندارد ہیرامن تو صورت دیکھتے ہی مایوس ہو گیا اور اس کے فروخت ہونے کی امید سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

کیونکہ اس کے پاس وچار اُلو کہ نہ آنکھ چپٹی ناک سرخ سفید مینوں سے چھچھڑے کھا کھا کے موٹے ہو رہے تھے۔ اور کوئی پوچھتا نہ تھا مگر چار ناچار نخاس دکھایا گیا۔

ادھر دوالی قریب تھی۔ ایک سفلی کے عامل کو بھوانی کی بھینٹ چڑھانا تھی اور عمل کو جگانا تھا۔ وہ بھی ڈھونڈتے ہوئے سویرے سویرے نخاس پہونچے اور ان کو دو نے پولے مول لے لیا۔

رات کو عمل شروع کرنے کے واسطے بھینٹ چڑھانے کے لئے چھری اٹھائی تو اُلو بھی کچھ ٹوٹی پھوٹی اردو بولنے لگا۔ مگر الفاظ بے ربط بے تکے۔ وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے۔ جیسے حمل کو حمل۔ لہر کو لہر۔ آنی تھی۔ جانی تھی۔ کھانی تھی۔ ناچنی تھی۔ گانی تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ چونچ کے نہونیسے الفاظ اکھڑے ہوئے ادا ہوتے تھے۔

عامل صاحب نے جب یہ دیکھا عمل کو در گذر گیا۔ چھری پھینک دی۔ اور اس اُلو کو اردو الفاظ رٹانا شروع کئے۔ کچھ مدت میں مار پیٹ کر رواں کر دیا۔ رفتہ رفتہ قسمت کی یاوری اور چند بے وقوفوں کی مہربانی سے ایک اخبار کا اڈیٹر ہو گیا۔ مگر تہذیب اور آدمیت آنا

تو دشوار کھُلی جہی گدھے پن کی باتیں اور بیوقوفی موروثی حصے میں آئی شیطان کی مدد سے کچھ شہد اپن آ گیا۔ دوسرے سئیاں شہدے نے اپنا شاگرد کیا تھا۔ اس کی تربیت کا اثر اور سونے میں سہاگے کا کام دینے لگا۔ ہر ایک کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ دو چار سی منش کے شریک ہو گئے۔ اور وہی ہانک بولنے لگے۔ اتفاقاً ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب سے اُلجھ پڑا۔ انھوں نے جو غصے میں دو اپنچھر پڑھکر پھونکے تو چڑا کی زبان بند ہو گئی۔ لاکھ پکارو منہ سے نہیں بولتا۔ بات چیت کو محتاج ہے۔ مہربانی فرماکر کسی صاحب کے پاس زبان بندی کا اُتارا ہو تو اس چرخ توٹے کی جان پر رحم فرماکر دریغ نہ فرمایئے اگر منہ سے حرف پھوٹنے لگا تو آپ کو دیا جائے گا۔

کندۂ ناتراش

نوالاً آپ لوگ مجھکو نہیں جانتے۔ میں شاعر ہوں۔ میں نے اپنا تخلص اتبک نہیں رکھا۔ کیونکہ آجکل ... سانی ہے جس شاعر کی غزل اچھی ہوتی ہے مقطع خارج کرکے میں اپنے نام سے شایع کردیتا ہوں ... طبع کہنے کی کبھی تکلیف نہیں اٹھاتا ہوں۔ میری قوم فخر کے مارے کُپا ہوئی جاتی ہے۔ خاصکر ایک وزن سیاوریں جو شک میری بہت مداح ہے۔ سب "لیڈر" ہیں۔ میں "نذر" ہوں۔ کیونکہ میں ہندو مسلمانوں میں کھنڈت ڈالنا چاہتا ہوں۔ مشہور ہے مصرع

انل سے دشمنی ہمادس دیار آپس میں رکھتے ہیں

میں بھی مولویوں کا اور پنڈتوں کا جانی دشمن ہوں۔ بس چلے تو خون پی جاؤں۔ سفید سیاہ میں کچھ تمیز نہیں کرتا۔

میں مدرسین کی خارجی توجہ سے بی۔ اے ہوں۔ میں نیکی شہرت چاہتا ہوں۔ اگرچہ وہ گالیوں اور ذلتوں سے حاصل ہو۔

مثنوی والے قصہ میں میں نے کچھ شیطان سے کم کام نہیں کیا۔ ادھر پنچ کو گدھا بنایا۔ اُدھر اپنی قوم کے احمقوں کو برانگیختہ کیا۔

میرے نزدیک مثنوی پر تمام اعتراض بیجا ہیں۔ آتش۔ ناسخ اور تمام اُردو کے شاعر

زبان نہیں جانتے تھے۔ کیونکہ ان میں مطبوعہ ہونے والی زباندانی کا حصہ موجود نہ تھا۔ زبان مصنف مثنوی جانتے تھے یا میں جانتا ہوں۔ زباندانی میرے حصہ میں ہے۔ چاہے بعد کو جو بھی درست ہو جائے مثنوی پر جتنے اعتراض ہوئے سب غلط۔ جتنے شاعر ہیں سب جھوٹے۔ جتنے لغت ہیں سب غلط۔ میرے نزدیک تمام مطبع غلط خود غلط املا غلط انشا غلط۔ مثنوی ہر طرح صحیح۔ اس کو میری آنکھوں سے دیکھو وہ بھوتنی آنکھ کا دیدہ ہے۔ اگر اسکی شاعری نہ رہی تو تمام دنیا سے شاعری کی دولت نکل جائے گی۔

میرے پاس ایک کتاب اینٹ الپنزادہ کاکوری کے گدھے پہ لد کر آئی تھی۔ حضرت آدم سے پیشتر کی چھپی ہوئی۔ مصنف کی خاص مہر لگی ہوئی۔ اس کو سوا سے میرے اور کاکوری والے گدھے کے کسی نے نہیں دیکھا۔ اب بھلا میری تحقیقات کو کوئی کیا پا سکتا ہے؟

حمل پر اعتراض بیجا ہے۔ بہ حرکت میم بہت صحیح ہے۔ کیونکہ یہ اصل میں جمل تھا۔ جیم کے پیٹ کا نقطہ گر گیا حمل رہ گیا۔

بعضے میگو بند کہ اصل اس کی مہل تھی۔ میم کو فارسی داوں نے کھا لیا اور اس کا پیش فتح سے بدل کر دوسرے میم کے سر پر پھینک دیا۔ ہائے ہوز بالکل ساکن تھا اس کو بھی زبردستی فتح دے دی۔ اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ تو اب اصل ہائے ہوز سے بفتح میم ہے۔ میرے پاس کتاب موجود ہے۔ دوسرے سجادی بیگم کی دو ورقی میں بھی چاروں صفحوں پر یہی لکھا ہے اب میں کسی شاعر اور کسی لغت اور کسی اہل زبان کو نہیں مانوں گا۔

میں کچھ مکتب خانہ کا پڑھا ہوا تو ہوں نہیں۔ نہ یہ غلط کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔ ماسٹر صاحب نے زیر زبر کی حرکت مجھکو سمجھا دی ہے۔ کوئی لاکھ کہے میں ہرگز نہ مانونگا۔ کہ حمل میں حرکت نہیں ہے۔ میں نے خود حرکت کی تھی۔ دوسرے ماسٹر صاحب کی بیجا حرکتوں نے مجھ کو بخوبی سمجھا دیا ہے کہ کوئی لفظ بغیر حرکت کے ہوتا ہی نہیں۔ کوئی جانور حرکت سے خالی نہیں +

روٹی تو کما کھائے کسی طور مچھندر

ایک نائی کی سرگذشت

حجام نے اپنے آبائی پیشے کو بہت کچھ چھپایا۔ مگر جب کوئی صورت روٹیوں کی نہ نکلی تو پھر رفتہ رفتہ اپنے قرینے پر آ رہا۔ آخر مجبوراً استرا پکڑنا پڑا۔ اور اقرار لسانی بھی کرنا پڑا۔ درحقیقت یہ عرب کے اونٹوں کے ساتھ دھوکے سے بندھا ہوا چلا آیا تھا۔ باپ کی طرف سے حجام ہے۔ اور ماں کی طرف سے دائی والا ہے۔

ختان الجواری کا مسئلہ اس نے اپنی والدہ سے حاصل کیا۔ اور گھر ہی میں مشق بہم پہنچائی رفتہ رفتہ مسلمانی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ حجامت کی ابتدا احمق الذین سے شروع کی۔ پہلے پہلے انھیں کو مونڈا۔ پھر اپنے ہاتھ پر ہاتھ صاف کیا۔ اب تو ماشاء اللہ سے خلق کی ایک ایک کھونٹی تم اکھیڑ لیتا ہے۔ یہ کوئی گھس کھدا نائی نہیں ہے۔ کوئی صاحب یہ خیال نہ فرمائیں کہ جس طرح بندر کے ہاتھ استرا لگ گیا تھا۔ یہ بھی اسی قسم سے ہو۔ نہیں نہیں بالتحقیق معلوم ہو چکا ہے کہ یہ ٹھیک حجام ہے۔ بعض لوگ دھوکا کھاتے تھے۔ کہ شاید یہ اناڑی نہ ہو تو وہی مثل صادق آئے کہ "کٹے حجمان کا سیکھے نائی کا" اگر استرا پکڑنے کی تمیز نہ ہوتی۔ تو پنج میں کبھی اشتہار نہ دیتا۔ لہٰذا کبھی ایسا ہے جسکی یہ روایت مشہور ہے کسی نے کہا مھٹو نائی نے کہا راجہ کے بڑے بڑے کان۔ بیچارے نے سب حال تو اپنا آئینہ کر دیا اب بھی حجمان لوگ متوجہ نہیں تو جائے تاسف ہے۔ ایک رئیس نے کہا تھا آگے کا اچھا ہوا کھانا ملے گا۔ اور پانچ روپیہ مہینہ۔ روز چھوٹے بھیا کا سر مونڈنا ہوگا۔ سیتا پور لئے جاتے تھے۔ ریل پر کسی نے کہدیا کہ کہاں لئے جاتے ہو وہاں روز مسلمانی کی ریل پیل ہوگی۔ خوفزدہ ہو کر بھاگ آیا۔ لاکھ لاکھ سمجھایا کہ تم کو اس کا حق علیحدہ سے ملیگا۔ مگر یہ کب ماننے والے تھے۔ ختنے کے نام سے فوراً جھجکتا ہے۔ کیونکہ اپنے گھر میں تو اسکو ختان الجواری سے سابقہ پڑا تھا۔ اور یہاں ایک بھاری کام کا مقابلہ ہو جاتا ہے۔ تو مارے شرم کے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ ہاں حجامت میں استاد ہے۔ ایک دفتر کو تو اُلٹے استرے سے مونڈ چکا ہے۔ اور حجامت کی رعایت سے جوہر کا خطاب حاصل کیا ہے۔ اسواسطے

کہ جوئیں کا قطعی دشمن ہے۔ اب کسوت الدولہ کا لقب دیکھیے کس ہونڈے کیبڑ دسے ملتا ہے۔ مگر کسوت کی صفائی کا اس کو خیال نہیں۔ کٹوری بدقلعی لاتا ہے۔ کنگھی کے دندانوں میں سیل بھرا رہتا ہے۔ استرے بال کم لیتے ہیں۔ چمڑا نان خطائی سمجھ کر چوہا کھا گیا۔ آئینہ اندھا رہتا ہے۔ قینچی کے خالی گھیرے دکھاتا ہے۔ پاڑ کا پتہ نہیں۔ سلی گھسی ہوئی لاتا ہے۔ ناخن گیری تو ہے ہی نہیں۔ کسی چھاپے خانے سے حرف تراش چرا لایا ہے۔ موچنے کی ضرورت نہیں۔ اکا دکا بال ہاتھ سے پکڑ کے اکھیڑ لیتا ہے۔ کسوت چمڑے کی ہے مگر پھٹی ہوئی۔ دن بھر حجامت بناتا ہے رات کو بدن بھی داب لیا کرتا ہے۔ اس میں بھی دو چار پیسے مل جاتے ہیں۔ اس حالت پر دماغ عظیم اللہ خانی رکھتا ہے۔ بات بات میں استرے پر ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ جب پوچھو یہی کہتا ہے خداوند نائی اگر غریب سے غریب بھی ہوگا۔ تو دو چار اشرفیاں ضرور ہونگی ضرورت کے وقت منکسر المزاج بھی ایسا کہ باید وشاید۔ عید بقر عید کو مٹی کا پیالہ ہاتھ میں روٹیوں کا تھیلا بغل میں لٹکا ہوا ہے۔ اور آپ دروازے دروازے پکار رہے ہیں "خدا سلامت رکھے نائی کی تہواری اور روٹی مل جائے" کسی نے چار پیسے چار چپاتیاں دو آلو پکڑا دیے۔ تو اب ان کی خوشی کا کیا کہنا۔

حمام اس کا بالکل ٹھنڈا رہتا ہے۔ جو کوئی اندر جاتا ہے۔ بہت پچھتاتا ہے۔ ہاں پانی چھوڑنے میں حاتم ہے۔ کھیسا اور بیسن وانی لئے ہوئے ہر وقت موجود رہتا ہے۔ کوئی زبردست خان گھس آتا ہے۔ تو کھیسے نکال دیتا ہے۔ ناتواں اتنا ہے کہ سر ملنے میں حوض ہو کے رہ جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ہر وقت رومال لئے کھڑا رہتا ہے۔ پہلے تو لئے سے بدن پونچھتا ہے۔ پھر لنگی دیتا ہے۔ نہانے کے بعد خراب پانی اس کی موری سے بہ جاتا ہے نیز میلا اتنا ہے کہ کسی کو استرا لیتے ہوئے دیکھتا ہے تو سر پھیر لیتا ہے۔

منشی . . . . صاحب کو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا۔ کہ ایک نائی کے لڑکے نے چوک کے ایک عطر والے حافظ جی صاحب کو عیش باغ کے میدان میں دھوکا دیا تھا۔ بیچارے کو مشکوک حالت میں بڑا گھر دیکھنا پڑا۔ یہ معاملہ سب پر روشن ہے۔ العاقل تکفیہ الاشارہ۔ سننے میں آیا ہے کہ انکی بدولت اس کے گھر میں عطر تیل کی ریل پیل رہتی ہے نال مفت دل بے رحم۔ دال میں کچھ کالا معلوم ہوتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

منے حجام کی مرمت

مولانا ظریف۔ بے شک میں سوختہ بخت سیاہ نصیب ہوں۔ کہ میری اولاد ناخلف بیکس کا لنگا۔ دم کٹا لنگور۔ کسنکر کوٹنے کا ورمٹ۔ لاسے کی چھڑ۔ عوج بن عنق کا تیسرا پاؤں۔ بے وال کا بودم۔ شتر بے مہار۔ عینک باز بدمانس۔ وحشی کتا۔ لمبو بے ڈول۔ جلے پاؤں کی چھچھوندر خدا کی شان اپنے باپ کی تعریف میں کسوت عبادی سے یوں اعتراف کرے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اور اس خفگی کا باعث یہ ہے کہ حکیم نے اپنے بھتیجے کی مسلمانی کا جوڑا اس کو نہیں دیا تھا۔ بس اب کیا تھا۔ کٹے ہوئے کنکوے کی طرح کنوں سے اکھڑ گئے۔ لاکھ ڈور کنگرا دکھاؤ مانتے ہی نہیں۔ کچھ تو اپنے نادی کا زور اور کچھ چودھراہٹ کا بل۔ خفا ہوئے تو آپ کے منہ کا تھوتھن لٹک آیا۔ اب جمعہ جمعہ خط بنانے کے واسطے بلاؤ دماغ ہی نہیں ملتے۔ جی حضور استرے بارچیے کے یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ خداوند قینچیاں اتر گئی ہیں۔ ناخن گیری کی باڑھ نہیں۔ مرزا صاحب کے بال کاٹ آئے۔ تو غلام حاضر ہوتا ہے۔ خانہ زاد کو آج کل قیصر باغ کے رجواڑوں سے چھٹی نہیں ہے۔ تا بجا رسہ پہر کو حاضر ہوگا۔ ایک مرتبہ بعد دخل در معقولات کے صبح کو احتیاج نہانے کی ہوئی۔ حمام میں گیا۔ تو کیا کہتا ہے۔ حضور یہ کل کا پانی ایسا ٹھنڈا ہے۔ لاکھ آنچ کرو گرم نہیں ہوتا۔ دیکھئے پھر رات سے پھونکتے پھونکتے آنکھیں پھوٹ گئیں۔ لیکن پانی برف کی طرح جما ہوا ہے۔ کسی طرح پگھلتا ہی نہیں ہے۔ اسی وقت خط بنوا لیجئے کل مجھ کو چھٹی نہ ہوگی۔ بڑی چودھرائن کے یہاں جلسہ ہے۔ نیوتہ دینے جاؤں گا۔ علاوہ ازیں انانیت اور ہمہ دانی کے دعوے نے اس کو اور بھی مٹا دیا ہے۔ اپنے دل میں سمجھتا ہے۔ کہ میں شاعر ہوں۔ نثار ہوں۔ حکیم ہوں۔ جراح ہوں۔ چودھری ہوں۔ اور ...... نائی تو ضروری ہوں۔ اس میں کوئی ایسا نہیں جو میرے نام سے ایک قصیدہ کہہ دے تو دو چار پیسے بھیک مانگ کھائیں۔

حجامت کے چار پیسوں میں کیا ہوتا ہے۔ سفید پوشی کا شوق ہے۔ مارے شرم کے کسوت شالی رومال میں چھپائے رہتا ہوں۔ مولوی صاحب سے اس واسطے جلتا ہوں کہ کالے کے آگے چراغ نہیں جلتا .... مولوی صاحب یہاں نہیں گلتی۔ کئی مرتبہ

خیال کیا کہ مرزا صاحب کی خدمت میں فیضیاب ہوں۔ لیکن مبارک علی اور مولوی کے خوف سے ہمت نہیں پڑتی۔ ورنہ چغلخوری کی عادت تو مجھ میں ایسی ہے کہ شاید د... غرضکہ اوصاف احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔ فی الحال چند اشعار آپ اد ... کی تعریف میں نظم کیے ہیں۔

عین ذلت کو سمجھتا ہے یہ عزت اپنی
کھول دیتا ہے جو ہر وقت حقیقت اپنی

گھر سے جس وقت نکلتا ہے یہ احمق جاہل
تو جتاتا ہے رئیسوں سے شرافت اپنی

خود ستائی کا مرض آمیں سوا ہی سب سے
جاہلوں میں یہ بگھارا کرے حکمت اپنی

چودہری آپ کو کہتا ہے یہ حجاموں کا
اس لئے خود ہی جتاتا ہے حماقت اپنی

ظرف جو اوچھے ہیں آخر وہ چھلک جاتے ہیں
کہد و رہنے دے لیاقت کو ہدایت اپنی

مذہبی اس کو تعصب ہے تو ہو ہم کو کیا
کم نہ ہوگی کبھی واللہ ظرافت اپنی

غاو کو میں نے چپت دی تو اسے چھینک آئی
اندرونی وہ دکھاتا تھا لیاقت اپنی

ہم بھی موجود ہیں نائی کی مرمت کیلئے
اور کھلوائے گا کیا ہم سے حقیقت اپنی

بی سجادی کا شکایت نامہ مولانا کے نام

پیارے مولانا! قسم ہے اپنے سر کی اگر میں جانتی کہ تم اس معاملہ میں اس طرح بگڑ کھڑے ہو گے۔ ایسا جھاڑ کا کانٹا بن کے میرے پیچھے چمٹ جاؤ گے۔ تو کوئی ایک نہیں ہزار کہتا میں نوج ایسے مردودے کے بیچ میں پڑتی۔ اے میں تم سے کہتی ہوں۔ اللہ رکھے میں تو ہمیشہ سے تمہارے منہ چڑھی تھی۔ تم ہی مولانا ہو۔ ابھی چار دن کی بات ہے تم نے پردہ عصمت نکالا تھا۔ مجال کیا تھی کہ کوئی تمہاری مخالفت کر جاتا۔ مگر میں نے کیا کیا مسخرہ پن کیا۔ کیسی کیسی دل لگیاں کیں۔ تم ہمیشہ ہنس کر ٹال دیا کئے۔ پنچ کا کوئی پرچہ خالی نہیں جاتا جو میں تمکو نہ ستاتی ہوں۔ تمہارے نام سے میری دو ورقی کی رونق تھی۔ لوگ اُس اخبار کو نہیں دیکھتے تھے جس میں سلامتی سے کچھ تم سے چھیڑ خانی نہ ہو۔ مضمون میں گرماگرمی نہیں آتی تھی جب تک تم سے نوک جھوک نہ ہو۔

میں نے تمہاری ذاتیات پر بہت سے ایسے حملے کئے۔ جس سے تم کو برا ماننے کا حق تھا۔ میرے منہ سے میرے ہوا خواہوں نے جو کچھ تم کو کہا تم نے شربت کے گھونٹ کی طرح پی لیا۔ یہانتک کہ بعض بعض تاڑنے والے بھانپنے لگے۔ کسی کسی کو تو یقین ہو گیا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ کبھی ایک آدھ منہ پھٹ میرے منہ در منہ کہہ گزرا کہ اچھا موٹا یار پھانسا۔

میں نے کہا ہاں خوب کیا۔ کسی ایسے تیسے کا اجارا ہے۔ جس کو رشک ہوتا ہو اپنی ...... کو بھیج دے۔ کیا کسی بھڑوے کی چوری ہے۔ ہم تو ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں ایک ادبی پرچے کے ساتھ بھی میری چھیڑ خانی برابر چلا کی۔ کچھ میری عادت ہو گئی تھی کہ ناحق بے ناحق تم کو جان جان کے ستاتی اور تمہارا منہ چڑھایا کرتی تھی۔

دوسرا پرچہ تو ادھر تم نے نکالا اور میں نے آوازے توازے شروع کئے۔ ایسی ایسی اوچھیاں سنائیں۔ وہ وہ ملاحی گالیاں دیں کہ بعض وقت تو میں اپنے جی میں خود شرمندہ ہوتی تھی۔ دوسرا ہوتا تو خدا جانے کیا کچھ کر ڈالتا۔ اور کیسی کچھ میری بعزتی نہ کرتا۔ مگر اللہ رکھے تم

ہمیشہ خندہ پیشانی سے ٹالا کیے۔ کبھی تیور پر میل تک نہ آیا۔ مگر اب تو میں دیکھتی ہوں کہ تم سے
مجھ سے علی کافر کا بیر پڑ گیا ہے۔ مجھکو پاتے ہو تو چھری کو نہیں پاتے ہو۔ چھری کو پاتے ہو تو
مجھ کو نہیں پاتے۔ اور یہ سب موئے جلنے والے خوش ہو رہے ہیں۔

دم بھر کے واسطے تم غصہ کو تھوک دو تو خطا معاف ایک بات کہوں نہ تم نگوڑ مارا نیا پرچہ
نکالتے نہ مجھ کو یہ دن دیکھنا نصیب ہوتا۔

آپ ہی تو پرچہ نکالا۔ اس کے واسطے کیسی کیسی سر توڑ کوششیں کیں۔ کہ کسی طرح ہندو مسلمان
گھل مل کر ایک ہو جائیں۔ ہندو کی لڑکی مسلمان کے گھر آئے مسلمان کی لڑکی ہندو کے گھر جائے
تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں آپس میں مصالحت اور موافقت بغیر مناکحت کے نہیں ہو سکتی۔ مجھ
..... میٹی کی جو شامت آئی تو جھٹ تمہاری نصیحت پر عمل شروع کر دیا۔ جہاں کچھ لوگوں کے لڑکے
بکلے میں نے بلا بلا کر دو دو گھٹیاں سب کو پکڑا دیں میل جول پیدا کیا۔ آمد و رفت کی
راہ نکالی۔ دانت کاٹی روٹی ہو گئی۔ وہی روش وہی چال۔ وہی چلن میں نے
اختیار کیا۔ جو تم نے بتایا تھا۔ آخر کو وہی چاہیے پانی ہو گیا۔ اور ایسی گھل مل
گئی کہ لوگ مجھکو بھی ان میں کا ایک سمجھنے لگے۔ کچھ دنوں اور چپ رہتے تو میری اولاد
بھی انھیں میں مشہور ہو جاتی۔ اور دو چار جھول میں کبھی نکال لیتی۔ بس فقط نام بدلنے
کی کسر رہ جاتی۔

مگر تم نے تو عین کو بال میں غلہ لگا دیا۔ اچھی اچھی طرح سے قارورہ آمیزہ ہونے پایا
تھا کہ تم نے نزن سے لغوی پر اعتراض جڑ دیا۔ محلے بھر کے لونڈے روتے پیٹتے بھنبھیری
کی طرح میرے آس پاس چکر لگانے لگے۔ اور زبان کے متعلق مجھ سے آ آ کے پوچھنے
لگے۔ جھوٹ کیوں بولتی میں نے جان صاحب کے منہ حمل سنا تھا۔ دوسرے میں
خود حمل بولتی ہوں۔ ایک مرتبہ میرا خود حمل گر چکا ہے۔ شاید تم کو یاد ہو تمہاری
ہی تو شرارت تھی۔ نگوڑا حمل ہے ہی کیا چیز۔ جب ذرا کسی سے گھان میل ہو گیا۔
حمل موجود۔ مگر زیر زبر کی تحقیقات اور چھان بنان کے ساتھ میں نے تمہارے ہی
منہ سے سنا۔ میں ایسی سندری کی چندی نکالنا تو جانتی نہیں یہ تمہیں کو مبارک رہے
اسی طرح میں ہمیشہ لہر کہا کی۔ وہی میں جانتی ہوں۔ میری کا گودی میں بھی لوگ یہی
بولتے ہیں۔ اب تم مردوں نے ایک ساکن اپنی طرف سے زبردستی اس میں لگا دیا تو لگایا

کرو۔ مجھ سے پیشانہیں پاؤ گے۔ وہ اور ہوتی ہوں گی جو زیر ہو جاتی ہوں گی۔ خدا جانے کیا آفت ہے۔ نگوڑ مارے مردوں کو ہمیشہ اسی کی پڑی رہتی ہے۔ ذری ذری سی باتوں کے واسطے کٹے مرتے ہیں۔"

"غرض کہ میں تو اس گمان میں تھی کہ میں جو کچھ کہوں گی۔ تم فوراً مان لو گے اور ہنس کر ٹال دو گے۔ مگر تمہاری غصے کی آگ ایسی نہیں بھڑکی تھی۔ کہ میری شیریں بیانی کے آب سے وہیں بجھ جاتی۔ تم پہلے سے بھرے بیٹھے تھے۔ کہ ناحق مجھ پر برس پڑے اور وہ وہ سنایا۔ ایسا ایسا نمک چھڑکا۔ کہ میرا ہی پتھر کا کلیجہ تھا جو آج تک سنتی رہی۔ دوسری ہوتی تو کب کا زہر کھا لیتی۔ اے میں کہتی ہوں یہ آپ کی تم کو کیا ہو گیا ہے۔ جو اس طرح بگڑے گئے۔ آنکھیں نیلی پیلی کرتے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ وہی شاعر گھرانے کی ناک ہے۔ اللہ اللہ کرکے بڑی منتوں سے۔ بڑی مرادوں سے ایک ہی تو ایسا پیدا ہوا جو موزوں ناموزوں میں تمیز کرتا تھا۔ نظم نثر میں فرق کر لیتا تھا۔ جھوٹ کہتی ہوں تو دوسرا کوئی بتا دو۔ مثنوی اس نے صحیح کہی یا غلط۔ موزوں کہی یا ناموزوں آپ کون تھے۔ اس کے ناز تو آتش نے اٹھائے۔ ناسخ نے اٹھائے۔ صبا نے اٹھائے۔ رند نے اٹھائے ایک نہ اٹھ سکے تو تم سے۔ زبان وہ نہیں جانتا تو کوئی دوسرا بتا دو جو زبان جانتا ہو۔ میر کا تو قول ہے کہ مردوے ایک سرے سے زبان جانتے ہی نہیں۔ مجھ کو جو اس خاندان سے واسطہ ہے تم کو بخوبی معلوم ہے۔ پھر جان بوجھ کر انجان بنتے ہو۔

بے سے کچھ تم کو میرا خیال بھی نہ آیا۔ کہ وہ اجڑی کیا کہے گی۔ خدا ہی سمجھے کہ جیسا تم میرے بچوں کو ستاتے اور کلپاتے ہو۔ بیچاروں نے مارے غم کے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔ چار چار انگل شیروانی ڈھیلی ہو گئی۔

دن بھر میں دس دس دفعہ میرے پاس فریادی آتے ہیں۔ تم کو چاہیئے تھا کہ میرے منہ سے ان کی سرپرستی کرتے۔ جو کوئی دوسرا ان کو آنکھیں دکھاتا۔ اس کی آنکھیں نکال لیتے۔ مجھ کو مرنے کے بعد تم سے کیا امید رکھنا چاہیئے۔ جب کہ جیتے جی تم نے میرے بچوں کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ بھلا مجھ عورت ذات سے کیا لڑتے ہو۔ کسی مردوے سے بولتے تو وہ تم کو مزا ابھی چکھا دیتا۔ مجھ پر جو چاہو زبردستی کر لو۔ کیا کبھی اب مجھے منہ نہ دکھاؤ گے۔ اے ۔۔ تو یہی جو سب کے سامنے تم سے چھیڑ خانی نہ کروں۔ آخر تو ساری دنیا میں میری

ناک کٹ گئی۔ نہ معلوم کس کم بخت مونڈی کاٹے نے بھڑکا بھڑکا کر تمہارا دل میری طرف سے پھیر دیا۔ نہیں تو تم اپنی ذات سے ایسے نہ تھے۔ میرا تمہارا مدت کا سابقہ ہے۔ اور نہ میں ہی کچھ بدل گئی ہوں۔

لیکن اب نگوڑی باتیں سنتے سنتے میرا دل تم سے کھٹا پڑ گیا ہے آگ لگ جائے ان بھڑکانے والوں کو کیا خاک فائدہ ہوتا ہے۔ ہم تم پھر ایک ہو جائیں گے۔ اور یہ موئے جلتے کے جلتے ہی رہیں گے۔

میں تو تمہیں اپنا شوہر سمجھتی ہوں۔ یہ موئے تمہارے کون ہیں۔ ان کی بات کا برا ماننا ہی کیا۔ تم اتنا نہیں سمجھتے۔ موئے مثنوی والے سے مجھے کیا علاقہ۔ صرف لونڈوں کی خوشی کی ایک بات میرے منہ سے نکل گئی۔ تو اس پر تم اتنا آگ بگولا ہو گئے۔

شیطان کے نام سے جو خط بھیجے تھے وہ درحقیقت شیطان نہیں ہے۔ بلکہ شیطانی حرکت سے جو بچے پیدا ہوئے ان کا نام میں نے شیطان رکھ دیا ہے۔ یہ سب خط انھیں کے تھے۔ لے اب غصہ تھوک دو اور مجھے اپنی صورت دکھاؤ۔ مہینوں سے اسی ارمان میں بیٹا ترستی ہوں۔ دل میں نزاع اچھی نہیں۔ دیکھو ابھی تک میرے دل میں تمہاری طرف سے کوئی برائی نہیں آئی۔ میں نے تمہاری خاطر سے ...... پرچے میں ایک کارٹون کے ذریعہ سے مثنوی والے شاعر کی خاندانی زبان سنا دی۔ سچ کہنا اب تو خوش ہوئے۔ اور بکاؤلی کے باغ میں طرفداروں کو کیسا ٹہلایا۔ اس پر بھی تمہاری خفگی کم نہ ہو تو میں کیا کروں۔

طاعون والا خط دراصل تمہارے محلے والوں کے ڈرانے دھمکانے کے واسطے خود میں نے لکھا تھا۔ اور مجھے حق بھی تھا۔ کیونکہ جب شیطان کی خالہ ہوں۔ ہیضہ کی خالہ ہوں تو طاعون کی بھی خالہ ہوں۔

مرزا اغا دوالامحنہ بھی تم شاید جانتے ہو اسی بڈھی گا بھن بکری خضابو کا ہے۔ جو مرزا ستا کے گھر میں پلی تھی۔ تم ذرا ان سب کی چند یا گرما دو تو مزا آجائے۔

حجام کی خوب مرمت کی۔ یقین تو ہے کہ آئندہ حکمت کی نہ بگھارے۔ اسی طرح دوستوں کی وجہ تسمیہ نے لٹا لٹا دیا۔ مانتی ہوں استاد کیونکہ یہ میاں سٹھیدے کا خط اور ہمارے نام اچھا یاد رکھنا۔

رقیمہ سجادی

ابلیس کا خط خالہ سجّادی کے نام

کیوں خالہ اماں تم اپنے ہتھکنڈوں سے باز نہ آؤ گی۔ تمہارے ہاتھوں سے ہماری گردن میں طوق لعنت کا پڑا۔ مگر تم ہمیشہ اپنی ناجائز حرکتوں سے ہمکو بدنام ہی کرتی رہیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ تمکو مولوی اور مقدس گروہ اور عالموں سے سخت دشمنی ہے اور ہمیشہ سے تم میرے نام سے ٹٹی کی اوٹ میں شکار کھیلا کرتی ہو۔ میری کیفیت یہ ہی کہ جہاں کسی عالم کا نام آیا میرا رونگٹا رونگٹا کانپتا ہے۔ جس طرح بکری قصائی سے کانپتی ہے۔ مجھکو اس گروہ سے ہمیشہ ترک ملاقی۔ اور یہ گروہ تمہاری وجہ سے میرا دشمن ہو گیا۔

یہانتک کہ سرسید کو تو کامل یقین تھا کہ ابلیس کوئی چیز نہیں۔ یہ سب سجادی کی وسری حرکتوں کا نام ہے۔ تم اگر عمارہ اخلاق۔ اتفاق۔ اتحاد۔ اصلی تعلیم۔ تہذیب۔ تمدن پیدا کرتیں اور ترقی معکوس کی آتش نفاق کو خوب مشتعل کرکے اپنے کلیجے کی آگ نہ بجھاتیں تو اچھا ہوتا۔

خدا کو بہت بہتر کرنا منظور تھا اور ابھی بزرگوں کا نام چند عرصہ تک پردۂ دنیا پر قایم رکھنا تھا۔ جو اس نے محض اپنی شان کبریائی سے تمہارے ہاتھ پاؤں دل و دماغ اور زبان کی قوت سلب کر لی۔ اب تمہاری توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ تمہارے واسطے قیامت کا وہی دن تھا جسدن تمہاری زبان بند ہوئی۔

میں جانتا ہوں کہ خدا کے یہاں سے مجکو ابلیس کا لقب تمہاری ہی زبان درازی سے ملا۔ جہاں مجھ میں ہزاروں برائیاں ہیں وہاں ایک اچھائی یہ بھی ہے کہ میں اکابرین و مذہب سے ہمیشہ خائف رہتا ہوں۔ تم نے میرے نام سے سرسید کو خط لکھا اور خدا جانے کس کس کو خط لکھے اور جب میں نے تم سے شکایت کی تم نے یہی جواب دیدیا کیا تم ہی شیطان ہو۔ اللہ رکھے میری برادری میں شیطان پیدا ہوا ہے۔

جس کی حرکتیں تم سے بھی زیادہ ہیں۔

بلکہ ایک دن اپنے دعوے کے ثبوت میں ایک مرنجی جھروہ گورد بلے پتلے افیونی کو پیش کر دیا۔ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے کرتوت اب اور بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ دوسرے سبیان شہدے کی صحبت میں تم اور بھی خراب ہوگئیں۔ تم نے بھیک مانگنے کا یہ طریقہ اچھا نہیں نکالا ہے۔ تم بڑے بڑے رئیسوں کی عزت آتار لیتی ہو۔ گو ہیضہ اور طاعون تمہارے پرانے آشنا ہیں مگر آجکل تم نے لقوے اور فالج کو گلے کا ہار بنا رکھا ہے۔

جب تمہارے دل و دماغ کام نہیں دیتے۔ ہاتھ پاؤں ساتھ نہیں دیتے۔ زبان قابو سے باہر عقل رخصت ہوگئی ہے۔ تو تم ہر ایک کے بہکانے سے مشاہیر استادوں پر کیوں منہ کو آتی ہو؟ تم نہیں جانتی ہو کہ ہمیشہ یہی لوگ قدامت کے خیال سے تمہاری عیب پوشی کرتے ہیں۔ اور تمہارے بدنما دھبے کو مٹاتے ہیں۔ ورنہ ان کے ایک قلم کے اشارے میں تم تہس نہس ہوسکتی ہو۔ انھیں نے تمکو یہ عزت دی ہے۔ اس نیکی کا بدلہ تم نے اس سے خوب نکالا۔

غضب تو یہ کیا کہ اُلٹم غلٹم نتھو خیرا کے نام سے تم نے شاعرانہ اعتراض کا جب کوئی جواب نہ دیکھا تو تعصب اور حماقت نے تمکو اس پر مجبور کیا۔ کہ تم مولانا ایسے غیر متعصب اور ہر دل عزیز انشا پرواز کو مذہبی حملے سے زیر کرو۔ تم نہیں جانتی ہو انھیں کی جانکاہ کوشش سے لوگوں میں اتفاق پیدا ہوا۔ افسوس تم قوم اور ملک کے بہی خواہ پر محض اپنی حماقت اور نادانی سے ایک غیر واجبی الزام لگانا چاہتی ہو۔ بانیان اتحاد میں آج مولانا کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ تم ہرگز اس میں کامیاب نہ ہوگی اور تمہاری رائے بالکل لغو اور بے بنیاد ہے۔ تم اپنے گریبان میں منہ ڈالو۔ اور شرمندہ ہو۔ تم سے ہندو اور مسلمان کوئی خوش نہیں۔ کانگرس کا ساتھ تم نے نادان دوست بنکر دیا۔ اور کانفرنس کی مخالفت تم نے نادان دوست بن کر کی۔ ؎ دو گونہ رنج عذاب است جان مجنوں را۔ مایا ملی نہ رام۔ تم اپنے کرتوت اور اپنے کردار سے مسلمانوں اور ہندوؤں کی نظر میں حقیر ہو۔ معلوم نہیں کہ مرنے کے بعد تم جلائی جاؤ یا دفن کی جاؤ۔ کیونکہ مسلمان تم کو ہندو سمجھتے ہیں اور ہندو مسلمان جانتے ہیں۔

غریب شاعر کی روح تمکو پانی پی پی کر کوستی ہے۔ تمہاری دریدہ دہنی سے اس غریب کے سارے عقدے بکھر گئے۔ اور وہ اعتراض کئے گئے جن کو اب آتش بھی زندہ ہوں تو

نہیں مٹا سکتے۔ تم کو جب شاعری سے تعلق نہ تھا۔ تو خل در معقولات دینے سے کیا فائدہ ہوا۔ رفتہ رفتہ تمہارے نامہ نگار بھی اب ٹھنڈے پڑتے جاتے ہیں کیونکہ ان کو کوئی معقول بات نہیں ملتی۔ پہاڑ سے رائی کا مقابلہ کہاں ہو سکتا ہے۔

جوانی میں ان لوگوں نے تمہارے ناز اور نخرے اٹھائے۔ اور ناز نین پر بھبال سمجھ کر طرح دیدی۔ ہمیشہ کسی کے دن ایک سے نہیں رہتے۔ اب تمہارے بوڑھے غمزے اچھے بھی نہیں معلوم ہوتے۔ تمہارے چمن حسن و جوانی میں خزاں کا دور دورہ ہے وہ پھول سے گال مرجھا گئے۔ کوئی تم سے پاؤں دبانے کی بھی خدمت نہیں لینا چاہتا اسپر تم سمجھتی ہو کہ میں پونے بارہ برس کی ہوں۔ خالہ اماں خدا کو مان کے اب اپنے بوڑھے چونچلے اٹھا رکھو۔ ہر بات من پر اچھی معلوم ہوتی ہے۔ ایک دن وہ تھا کہ تم پور پور چھلے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگائے ہوئے چھمی جان بنی ہوئی بیٹھی رہتی تھیں۔ اب بند بند تمہارے ڈھیلا ہو گئے۔ بہم کی ضرورت۔ ساٹھ برس کی پرانی ڈھڈو۔ جو دیکھتا ہے منہ پھیر لیتا ہے۔ ہاتھ سے بیر بھی کھلانے کو جی نہیں چاہتا۔ گو سچ ہے کہ تم نے جوانی میں بہت سے جوانوں کو گھائل کیا ہوگا۔ مگر اب خلیل خاں فاختہ اڑا چکے۔ ایاز قدر خویش بشناس ایسے نخرے کروگی تو بھیک بھی میسر نہ ہوگی۔ پھٹے پرانے حال میں جو بسر ہو جائے غنیمت جانو۔ تم سے اچھی اچھی ناز و ادا والے دانے کو محتاج ہیں۔ کوئی بھولے سے نہیں پوچھتا۔ نعوذ باللہ اگر۔۔۔ ایسے لوگ منصب برتنے تو شاہی زمانے میں ایک پڑھا لکھا نہ ملتا۔ مگر کیا معلوم تھا کہ ؎

کس نیاموخت تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

اب بھی جن لوگوں کے گھر میں اردو فارسی کا قدم آیا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے اقدام میمنت لزوم سے۔ دیکھو سب نے ان کو مانا اور ان کے احسانات کو نہیں بھلایا۔ وہ اب بھی فیض کو پہونچ رہے ہیں۔ اور جو لوگ احسان فراموش ہیں مٹتے جاتے ہیں۔ مجھی کو دیکھ لو کہ ایک نافرمانی سے کس قدر وبال میں پڑا ہوا ہوں۔ احسان فراموشی بہت بڑا مرض ہے۔ سب سے بڑی تم احسان فراموش ہو کہ تم کو ان لوگوں نے خاک سے پاک کر دیا۔ اور پھر تم ہمیشہ ان کی بیخ کنی میں سرگرم رہیں۔

دو عرصہ ہوا مسٹر ٹیپو نے بھی اسی کاوش میں اپنی جان دی تھی جن کی خبر تم نے لوکل مسٹر ٹیپو کی وفات" کی سرخی سے لکھی تھی یہی مولانا تھے جن کو کاٹنے دوڑا تھا۔ آخر ایک لاٹھی میں خاتمہ ہو گیا۔ مولوی صاحب کا نام تم نے شرمندگی سے نہیں لکھا تھا۔ ابھی تم انکی گردش قلم سے اچھی طرح واقف نہیں ہو۔ ایک نکتہ میں تمہاری ہستی اور نیستی کا انقلاب دکھا سکتے ہیں۔ تمہاری بساط کیا ہے۔ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا۔ اب تمھارے مرنے کا وقت قریب ہے۔ اللہ اللہ کرو۔ چرخہ کاتنا تو تمہاری تقدیر میں ہمیشہ سے لکھا تھا۔ مگر نکتہ سنجوں کی بدولت تم اس چرخے سے بچ گئیں۔ ایک سراچہ تمہارے گلے پڑا۔ اب بڑھاپے میں اٹھتی جوانی دکھاتی ہو۔ یہ اجوائن کی تھیلیاں کسکو پسند آئیں گی۔

زندوں کو تو تم ہمیشہ ستاتی ہی ہو۔ اب تم نے مردوں کو ستانا شروع کیا۔ مرگھٹ سے مردے دہائی دے رہے ہیں کہ اس مردار نے ہمکو ذلیل و رسوا کیا۔ اور ہماری خاک کو بھی برباد کیا۔ آتش کی روح قبر میں بیچین ہے کہ کم بخت گوشۂ مرقد میں بھی چین سے نہیں سونے دیتی۔ سنت میں یاروں کو بدنام کرتی ہے۔

ابھی کیا ہے۔ بہت بدتر تمہاری حالت ہوگی۔ اور دانے دانے کو محتاج ہو جاؤگی یہ اہل قلم کی دشمنی ہے۔ کچھ ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے۔

یاد رکھو کہ تم کبھی ان کو ماہران فن میں شامل نہیں کر سکتی ہو۔ صبا اور رند ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار جا رہے ہیں۔ اور وہ ایک کاکوری کے گدھے پر مع اینٹ پتھر اوہ کے لدے ہوئے ہیں۔ تم گلے میں رسی باندھکر کھینچتی ہو اور تمھارے ہواخواہ ڈنڈے مارتے ہیں۔ مگر گدھا گدھا ہے اور گھوڑا گھوڑا۔

کھوسٹ مرزا اگر اب بھی نہ مانیں گے اور در پردہ تمھاری طرفداری کریں گے۔ تو بڑھاپے میں ذلیل ہونگے۔ اور خضاب کے ساتھ ساتھ تمام سیاہی منہ پر دوڑ جائے گی تمہارے لونڈوں کی ٹائیں ٹائیں فش کوئی اثر نہیں دکھا سکتی۔ یہ چوراہے کے کتے ہیں بھونکتے ہیں بھونکنے دو۔ اس کا اثر علمی مذاق والوں پر کوئی صورت نہیں پیدا کر سکتا۔ اور یہ غل غپاڑہ گوز شتر سے زائد وقعت نہیں رکھتا۔ مسٹر ظریف کے قلم کی ذراسی شکار انکے واویلا کے واسطے برسوں کافی ہے۔

آج کل سنتے حجام کو تم نے خوب اپنے گھر کا چودھری بنا رکھا ہے۔ یہ کپوت تو اگلوں نے پھینک دی اب شیروانی کی جیب میں چند استرے اور ناخن گیریاں اور قینچیاں اور ایک ڈبیا مرہم کی لئے پھرتے ہیں۔ سنا ہے بدگوشت خوب کاٹتا ہے۔ اس شایستہ نائی کی روزی کا دروازہ کھلنے والا ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے عید کا دن ہے گھر گھر خوشیاں ہیں سیویاں پک رہی ہیں۔ شادیانے بج رہے ہیں۔ یہ آئینہ لئے ہوئے خدمت میں حاضر ہیں آپ بھی شرما شرمی ضرور چار ٹکے ان کے کیسے میں ڈال دیجیے نہیں تو منہ لٹکا کر آئیں گے اور بہت مایوسی اور نا امیدی کے ساتھ عرض کریں گے۔ خداوند غلام اسی امید پر سال بھر حضور کی جوتیاں اٹھایا کرتا ہے خدا سلامت رکھے۔ ہمیشہ سے ہماری عید بقرعید کو پیدا ہوا کرتی ہے۔ ہماری تہواری میں رخنہ نہ ڈالیے۔

ایک ڈرامے پر ایک روباہ خصلت نے اعتراض کیا "چہ داند بوزنہ لذات ادرک" کیوں صاحب یہ پھبتیاں کیسی۔ کیا کسی درزی صاحب نے اپنا گدڑی بازار دکھایا تھا۔ اس نے تو تھپا پرانا گوڈر۔ کڑوا تیل" کی صدا لگائی ہوتی۔ تو مزا آتا۔ اب یہ کتر بیونت کام نہیں دے گی۔ درزی اور حجاموں کی حمایت کیا۔ مگر بقول کے تم کیا کرو مزاج ہی پاجی پرست ہے۔ تمہاری صحبت میں ہمیشہ ایسے لوگ زیادہ رہتے ہیں۔

دیکھو خالہ اماں۔ اب بھی کہنا مانو۔ اور ان افعال قبیحہ سے باز آؤ۔ ورنہ مسٹر ٹیپو کی طرح مولانا کے قلم کی لٹھ بازی سے تمہارا بھی خاتمہ ہوگا۔

راقم تمہارا بھانجا ابلیس

تاج الملوک کا نوازشنامہ لکھا بیسوا کے نام

کیوں قحبۂ زمانہ حرافۂ روزگار۔ تو نے پہلے بکاؤلی کے راستے میں تمام عالم کو اپنے دام تزویر میں قید کیا تھا۔ اور ابلہ فریبی سے ہزارہا شرفا کو اپنا غلام بنایا تھا۔ ہمارے چچا بھائی قید کئے اور ہزاروں کا مال و متاع لوٹا۔ چوسر کے بہانے سے بڑے بڑے رئیسوں کا رنگ روغن اڑایا۔ جس کو آنکھ کا اندھا گانٹھ کا پورا پایا خوب مال کھایا۔ اب پھر کایا پلٹ ہوگئی مرغی کی طرح خاک چاٹ کر الٹ گئی۔ لنڈھکتی ہوئی چودھویں صدی میں پھر اپنی اصلی حالت کے ساتھ جنم لیا۔ اور بربادی اپنا نام رکھ لیا۔ پیچ کی چوسر بچھا کر کالے سر کا ایک چھوڑا پہلے تیرے پاس پلی تھی۔ اب کتیا سے مطلب براری کرتی ہے۔ رنگ بدرنگ سب مارلیتی ہے۔ بہت کچھ پوبارہ ہوتے ہیں۔ مال مردم خوری کا مزا ہے۔ پانسے کی طرح کبھی ادھر کبھی ادھر لنڈھکتی پھرتی ہے۔ ہر ایک سے ٹیڑھی بات بولتی ہے۔ اگرچہ میں نے تیری بہت کچھ گوشمالی کردی تھی۔ اور امید تھی کہ تہ ہزار لپٹے کھا کر بھی ان کو یاد رکھے گی۔ افسوس تو نے بالکل بھلا دیا۔ کیا سمجھ کر اپنی پوسی دربلی؟ اب میرا نیلا لالہ نہیں ہے۔ دل کھول کے بازی بد چکی ہے۔ اور ہار چکی ہے۔ میری لونڈی ہو چکی۔ میں نے تجھ سے عقد کرنے سے انکار کیا تھا مگر پھر بھی تو اپنی سیاؤں پر قائم ہوگئی۔ اور اس جنم کی ساری باتیں بھول گئی۔ اری چرخہ کیوں دیوانی ہوئی ہے۔ کچھ شامت آئی ہے۔ بوڑھاپے میں اپنا منہ کالا کرائے گی۔ پانسے کی طرح ماری ماری پھرے گی۔ کوئی نہ پوچھے گا۔ ہر گھر سے ٹکا سا جواب ملے گا۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ اور نہ تجھ میں حسن جوانی ہے زبان کی تیجی ہے۔ منہ میں گھنگھنیاں بھری ہیں۔ مگر اس پر شیطانی حرکت کی خواستگار ہے کالو دی کا نام ہنواتی ہے۔ بہت سے رئیسوں کو لوٹ چکی ہے۔ مگر ؎

نہ سر جائے مرکب توان تاختن
کہ جا نا سپر باید انداختن

خدا کو تیرے اعمال بد کی سزا دینا منظور تھی جو تجھ سے مولانا ظریف سے سابقہ پڑا۔ سمجھی تھی کہ پہلے میرے ساتھ پلی تھی اب کتیا سے کچھ کام چل جائے گا لیکن یہ معلوم

تھا کہ تیری قسمت سے یہ بھی تاج الملوک نکل آئیں گے۔ اور قلم کے ڈنڈے سے کنیا کو ختم کر دیں گے۔

جان و مال ہار جائے گی۔ کوئی شریک نہ ہوگا۔ کردنی خویش آمدنی پیش سچ ہے۔ ہر کمالے را زوالے ہر زوالے را کمال۔ افسوس ایک دن وہ تھا کہ تو اپنی بساط شطرنج یعنی صفحات اخباری میں ہر ایک شہ کو مات کر دیا کرتی تھی۔ اور شیطان کی مدد سے بڑے بڑے مدبران ملک کی توہین پر کمربستہ تھی۔ دو چار لونڈے لاڑھیے ساتھ تھے۔ انھیں فوج سمجھتی تھی۔ اور کوس لمن الملک بجاتی تھی۔ یا ایسی گنی سلوٹی ہے کہ نہ منہ سے بولتی ہے نہ سر سے کھیلتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

یاد رکھ یہ مولانا ظریف ہیں تیرے ساتھ بہت کچھ رعایت کی ہر طرح کے ناز اٹھائے ہر طرح کے نخرے اٹھائے اور ہنسی خوشی سے ٹال دیا۔ کیا تو نہیں جانتی ہے کہ ہر فرعونے را موسیٰ۔ تو نے حجام اور دھوبی کے بھروسے پر اخبار نکالا۔ اور مولانا کے مراتب اعلیٰ کا خیال نہ کیا۔ اُن کے ایک قلم کی گردش میں تو کہاں سے کہاں پہونچ گئی۔ اور تیری بساط الٹ پلٹ ہو گئی۔ اب وہ تیرے گہرے یار پلیتن تیری طرف رخ نہیں کرتے۔ گھر گھر ماری ماری پھرتی ہے۔ کوئی پوچھتا نہیں ہے۔ آہ تیرا کیا نمکدان ظرافت ٹوٹ گیا۔ ہم کہہ چکے تھے کہ نائیوں کی بات کا اعتبار نہیں ہے۔ ان کے بہکانے میں نہ آنا۔ مگر تو نے نہ مانا۔

مگر تجھ کو کیا معلوم تھا کہ ظریف سے تیری بازی اس طرح ہار جائے گی۔ جنگ ٹوٹ جائے گا۔ گھر میں آرام سے سونا نصیب نہ ہوگا۔ ہر دو اور دنی تین کانے ہونگے۔ کیا تجھ کو یہ شک ہوتا ہے کہ اگر مولانا مثنوی کو مٹا دیں گے۔ تو میرا نام صفحۂ ہستی سے ہٹ جائیگا۔ اور پھر لکھا جیوا کا کوئی پوچھنے والا نہ رہے گا۔ یہ ایک غلط خیال ہے۔ نثر کا قصہ گل بکاولی بہت اچھی عبارت سے قدیم اردو زبان میں موجود ہے جس سے تمام عالم فیض یاب ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ خود مولانا ایسے نامنصف نہیں ہیں۔ وہ اس مثنوی کو اصلاح دیکر اردو کا سلیس اور ھزیب جامہ پنھا کر اُس کو اور چمکا دیں گے۔ اور زبان کی خرابی کا بدنما دھبہ اسکی پیشانی سے مٹا دیں گے۔ جو اس کے ناسمجھ ضدی مصنف کی کج فہمی سے آج تک چلا آتا تھا اور باوجود اصلاح کے بھی اس پر عمل نہ کیا گیا۔ کیا تو چاہتی ہے کہ مثنوی اسی خرابی میں پڑی رہے۔ اور اس کو کوئی سخن سنج نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ اور قدر دانان سخن اپنی میز

تک اس کو نہ آنے دیں۔
درحقیقت مثنوی میں بوئے کچوری مے آید۔ اور نظم کے دیکھنے والے زباندان
اس کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہ دکھا ساپ والا کیسا مہمل جملہ بیان کیا گیا ہے۔
لہنگا پھر رہا ہے موچنے کی بخیا بالکل بدنما اور خراب معلوم ہوتی ہے۔
شاہوں کے مراتب کا خیال وہ شخص کیا کرسکتا ہے جس نے آنکھ کھول کر کہار کی زبان
سیکھی ہو۔ کجا راجہ مہرا اور کجا تاج الملوک۔ ہاں اگر کسی لائق شاعر نے ایسی جرأت کی ہوتی
تو مثنوی کا نفس قصہ بہت نفیس تھا۔ اور وہ قابل داد ہوتا۔ اسی طرح مطالب بہت سے خبط
ہو گئے۔ اور نفس قصہ کو بھی گویا مٹا دیا۔ مثنوی کا پڑھنے والا جب قصے کا مطلب نہیں سمجھتا۔
تو اس کو خاک مزا نہیں آتا۔ اور وہ اٹھا کر کوڑے میں پھینک دیتا ہے۔ اس پر زبان بھونڈی
محاورات غیر فصیح۔ عبارت خبط۔ ایک مصرعے کو دوسرے سے ربط نہیں۔ رعایت کی
بھرمار۔ خراب پہلو۔ استاد سخن فہم تھا۔ اس نے شاگرد کے جب ناز بیجا دیکھے سمجھ گیا کہ
یہ شیطان یوں نہ مانے گا جب تک کوئی اس کی اچھی طرح مرمت نہ کرے۔ اور میری اصلاح
کی قدر نہ کرے گا۔ جب تک یہ اچھی طرح ٹھوکر نہ کھائے۔ اسی واسطے استاد کی زندگی
میں ان کے شاگردوں نے بھی استاد کا منظور نظر سمجھ کر مثنوی پر ہاتھ صاف نہیں کیا۔ بعض
نے اشارۃً کنایۃً سمجھایا۔ مگر مصنف ماشاء اللہ سے ایسے سمجھدار نہ تھے جن کو اشارہ
کافی ہوتا۔ اب مولانا کے چابک نے بیدار کر دیا۔ اور نجم کو تینوں تلوک نظر آنے لگے۔ مثنوی
کی غلطیوں کا خود اقرار ہونے لگا۔ مگر پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔ درحقیقت مولانا کا احسان
تمام طرفداران کو ماننا چاہیے۔ اور ان کا مشکور ہونا چاہیے۔ کہ عفونت آمیز گندی زبان
کو اصلاح سے مزین فرما کر دیکھنے کے قابل بنا دیا۔ ورنہ آئندہ ردی میں پھینک دی جاتی
سوا اس کے پنساری کی پوٹیاں باندھی جاتیں اور کسی کام کی نہ تھی۔ اور اب بھی اگر کوئی
فن کی بیش بہا رائے کی ناقدری کرے گا۔ اور موتیوں میں تولنے والے اعتراضات کو
نہ مانے گا تو آئندہ یہی حال ہونا ہے۔ تم سے ایک طرح کی مجھ کو امید تھی کہ تم زمانے کی ٹھوکر
اٹھا چکی ہو۔ کچھ دھوپ میں بال نہیں سفید کیے ہیں۔ بڑے بڑے استادوں کی زبان مشق
رہی ہو۔ اور اس آخری جنم میں بھی آکر تم نے اپنا وہی جال پھیلا دیا تھا۔ اور اخبار کے صفحوں
کو لمبا طرح سر بنا رکھا تھا۔ بجائے نقارے کے پریوں کی کھٹا کھٹ برابر چلی جاتی تھی۔ بلّی

کے معاوضے میں کتیا پال رکھی تھی۔ اور بجائے کالا منہ کرانے کے پرسیوں کی سیاہی پر گذر رکھا اس جال میں ایک نہ ایک ابلا میں پھنس جاتا تھا۔ اور تم گالیاں سنا کر اس کا روپیہ ٹھگ لیتی تھیں۔ وہ بھی کچھ سمجھکر کہ ع

معشوق کی گالی سے تو عزت نہیں جاتی

تمکو طرح دے جاتا تھا۔ اور کچھ بھینٹ چڑھا کر اپنی جان چھڑا لیتا تھا۔ تمکو یہ لت ایسی پڑ گئی تھی جیسے بلی کے منہ کو خون کا چسکا۔ تم سمجھ لیتی تھیں کہ میں میدان مار لیتی ہوں۔ اور بازی جیت جاتی ہوں۔ اسی تجیبہ پر مولانا کے ساتھ بھی بازی کھیلنا چاہی۔ وہ ایک پرانے کھلاڑی تھے۔ تمہاری چال سمجھ گئے۔ کہ تم جب بازی کھیلنے بیٹھتی ہو کتیا بھونکتی ہے۔ کھلاڑی ہار جاتا ہے تو پہلے انھوں نے اپنے لٹھ سے کتیا کا سر بھرتا کر دیا۔ اور دسٹر بیپ کے ساتھ اسکو بھی کالعدم کر دیا۔

اعتراض کی گرمی نے سب کو ٹھنڈا کر دیا اور تمہاری چوسر کی ساری گوٹیں ماری گئیں۔ پہلے تو کلموے، بڑھیے، بکرے مرزا استادوائے کا سر کھل دیا۔

اوس کے ساتھ ہی ساتھ نائی والی گوٹ ماری۔ پھر تو دن کی حالت جیتھڑے جیتھڑے ہو گئی۔ رنگ بدرنگ۔ اَلم غلم۔ تھو خیر اسب کو روسیاہی نصیب ہوئی۔ اب تم جان کی بازی لگائے ہوئے کھیل رہی ہو۔ اور سوائے تین کانے کے کچھ نہیں آتا۔ ہار جاؤ گی اور یقینی ہار جاؤ گی اس جنم میں تمھاری جان کو یہی تاج الملوک تھے۔ اور یہ سہرا انھیں کے سر ازل سے لکھا ہوا تھا۔ اب اپنی روانگی کا سامان کرو۔ ع

ہر روز عید نیست کہ حلوا خورد کسے

راقم شہزادہ تاج الملوک

مولانا ظریف کے نام تاج الملوک کا شقہ

مسٹر ظریف۔ در حقیقت تمہارا وجود سنکر ان اعتراضات کے واسطے مشفق ناصح کا کام دے رہا ہے۔ جب خاقانی اور غالب کے پیچ در پیچ مضامین خیز اشعار بعض بعض ماہواری رسالے اور ہفتہ وار اخبار حل کر دیا کرتے ہیں۔ اور اکثر ملکی ہمہ داں مفہوم سمجھ کے مزا اٹھاتے ہیں۔ تو یہ صریحی اور بدیہی اعتراضات کس گنتی اور شمار میں تھے جو ہر شخص نہ سمجھ جاتا۔ لیکن اس میں ذراسی کسر تھی۔ وہ یہ کہ مولانا کا انداز تحریر مہذب اور ثقہ تھا۔ اس کے سمجھنے والے صرف وہی لوگ ہو سکتے تھے جو اس پایہ اور اس مرتبہ کے تھے۔ چنانچہ نامی نامی اخباروں نے ان عالی مضامین اور قابل قدر اعتراضات کو تسلیم کر کے اُس کی غلطیوں کا اعتراف کیا۔ چند اُن کوتہ نظروں نے جن کے دلوں میں تعصب اور موروثی کاوش اور دلی بخارات اور بد خیالات بھرے ہوئے تھے۔ ان اعتراضات کو بھی تعصب کا جامہ پہنایا جاتا۔ اور ان کے ہم نوا وہ پرانے گیدڑ جو اندرونی آتش تعصب روشن کر رہے تھے چل پوں مچانے لگے۔ مگر اس واویلا اور دُہائی کا مطلب سخن فہم سمجھ گئے ہے

مہ فشاند نور سگ عف عف کند

اور اس لئے کوئی الزام مولانا کی کامل تحقیق۔ وسیع نظری پر نہیں آیا۔ اور ان کے معنے خیز اور گہرے اعتراضات کی وقعت اور ترقی پذیر ہوتی گئی ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

فہم اور دانش سے بہرہ رکھنے والے تو قدر افزائی کرنے لگے۔ اور حقیقی اور واقعی اعتراض کو دیکھکر اس کتاب کی اصلاح کرنے لگے۔ لیکن بیجا طرفدار اور ہٹ دھرم حماقتی مرغے کی ایک ہی ٹانگ بتانے والے اور اپنی قدیمی جبلی عادت سے باز نہ آئے یہانتک کہ بعض مفسدہ پرداز طبیعتوں نے کھینچ کھانچ اس کو مذہبی تعصب سے تعلق کر کے قومی غیرت دلائی اور ہمنوا بنا کر ہر روزہ بیسا اخبار کا رزار بنا لیا۔

جس میں اصل اعتراضات چھپ جائیں ورنہ ساری قلعی کھل جائے گی۔ اور اس منشاء کو بدترین پہلو کے ساتھ پنچ میں رٹنا شروع کیا۔ اس سے غرض یہ تھی کہ تمام مہذب دنیا اس سے کنارہ کش ہو جائے۔ اور ہم بیجا اور سخت الفاظ سے اپنا کام نکال لے جائیں۔ مسٹر ظریف تمہارا ورود ان پھکڑ بازوں کے واسطے غنیمت ہو گیا۔ اور ان کو جیسی کچھ امید تھی وہ زاویۂ گمنامی میں پڑ گئی۔ بے شک تم نے انھیں کی زبان میں ان کو سمجھایا۔ اب ناگی۔ سورزی۔ قاد وغیرہ وغیرہ اپنی اپنی زبان میں مطلب سمجھ گئے۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم اس میدان میں کامیاب ہو کے رہو گے۔ کیونکہ تم بھی میری طرح مستقل مزاج اور بردبار ہو۔ یہی علامت کامیابی کی ہے۔ اور یہی بات مجھ میں تھی جس سے میں اپنے ارادے میں کامیاب ہوا۔ گھر سے نکلتے ہی حرامی حلالی دونوں سے کام پڑا جب میرے چاروں بھائی گل بکاولی کی تلاش میں نکلے ہیں۔ تو میں بھی خدا کا نام لیکر اور اپنی زر قسمت کو محک امتحان پر کسنے کے لئے چل کھڑا ہوا۔ جس طرح تمہارے راستے میں سجادی بلی ہے۔ مجکو بھی لکھا بیسوا سے سامنا کرنا پڑا تھا۔ بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ شاید یہ وہی لکھا بیسوا ہے۔ تمام حرکات و سکنات اس سے ملتے ہیں۔ چاروں بھائی تو میرے غلام بن چکے تھے میں سردار حسین کی خدمت میں فیضیاب ہوا جس طرح تم منشی کی سرپرستی میں ہو۔ پہلے تو لکھا بیسوا کا حال دریافت کیا۔ چوہے بلی کا قصہ سنا۔ چوسر کا حال معلوم کیا۔ اس کے ہتھکنڈے چالبازیاں سیکھیں۔ نیولا پالا۔ چوسر کھیلی۔ وہ بازی ہار گئی۔ یہاں تک تو میرا تمھارا قصہ قریب قریب ہے۔

پھر وہاں سے میں نے فقیری ٹھاٹھ اختیار کیا۔ اور گوہر مقصد کی تلاش میں صحرائے پرخار میں جا نکلا۔ جس کی تاریکی میں ہرگز دن اور رات میں فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ سفیدی اور سیاہی میں کچھ بھی امتیاز نہ کیا جاتا تھا۔ اژدہے بچھو کے منہ کھولے ہوئے پڑے تھے۔ خارستان میں تمام جسم لہولہان ہو گیا۔ سامنے سے ایک دیو پہاڑ سا بیٹھا نظر آنے لگا۔ میں سمجھا یہ پہاڑ ہے۔ جیسے ہی میں نے قدم بڑھایا فوراً اس دراز قد نے سر اٹھایا۔ اور خوشی سے بولا خدا کی شان جس نے مجکو لقمۂ لذیذ بعد مدت کے دے دیا۔ غرضنکہ ہزار ہا تدبیروں اور سیکڑوں عقل آرائیوں سے اُس کو بھی تابعدار کیا۔ اور آخر وہی باعث ہوا باغ گل بکاؤلی تک پہونچنے کا۔

میں دیکھتا ہوں تو تمہارے سیکڑوں بھتنے چمٹے ہوئے ہیں۔ اور ہزار ہا چڑیلیں تم پر چلے

کرتی ہیں۔ اور کالے دیو۔ سفید دیو یہاں تک کہ بعض شیاطین تر نوالہ سمجھ کر بغلیں بجا رہے ہیں۔ اور بجائے خود بہت خوش نظر آتے ہیں۔ مگر تم استقلال اور مردانگی کے ساتھ نظر بخدا رکھو۔ یہ سب آپ ہی آپ دفع ہو جائیں گے۔ کیونکہ تمہارے دوستوں کو وہ عملی فلیتہ یاد ہیں جن سے سیکڑوں بلائیں پناہ مانگتی ہیں۔ بڑے بڑے جن جلا کر خاک کر دئے اور بہت سی چڑیلیں پھونک دیں۔ تو یہ چند شیاطین کس شمار اور قطار میں ہیں۔ دو چار عمل تو تم نے ایسے کئے جن سے بہت سی بلائیں دفع ہو گئیں۔ جیسے سٹیاں شہد والا فلیتہ۔ سجادی والے خط کا نقش۔ غافلی خوابی غزل کی دھونی۔ اللہ اللہ ان کے صدمے سے اب تک بعض مردے دہائی دے رہے ہیں اور بعض توبہ کر رہے ہیں۔ ڈہائی ہے مولانا ظریف کی۔ اب کبھی سجادی کے بہکانے سے پنچ کے صفحوں پر قدم نہ رکھیں گے۔ اور بعض جلکر خاک ہو گئے۔ انکی راکھ بھی برباد ہو گئی۔

سچ تو یہ ہے کہ تم سب مرحلے طے کر لائے اور اب منزل مقصود پر قدم رکھ کر کوس لمن الملک بجانے والے ہو۔ اور بہت جلد تمہارا تسخیر کا عمل کارگر ہو جائے گا۔ سارے تحفتے مسخر ہو جائینگے اور اس باغ کی بکاولی کی شادی کا سہرا تمھارے سر باندھا جائے گا۔ اور بہت دھوم سے شادی ہوگی۔ اور سجادی لونڈی جہیز میں ملے گی۔ غالباً یہ پیشگوئی ہماری عنقریب پوری ہو جائے کیونکہ ہر مصیبت کے بعد راحت ہے۔

راقم۔ تاج الملوک

حضور سال رواں کی آخری اسپیچ

یور ہائنس ایڈ جنٹلمین اقبل اس کے کہ پردہ دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاؤں اور اپنا جانشین نعم البدل اپنا جائز وارث اپنا سجادہ نشین یعنی ۱۹۰۷ء کو چارج دیکر دنیا کے اسٹیج پر چھوڑ جاؤں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آج آپ سب صاحبوں کو تکلیف دہی پر تشریف لانے اور میری دائمی رخصت پر افسوس کرنے کا شکریہ ادا کرنے کے بعد خیر مقدم کے کروں خوش کن الفاظ سے کام نکالوں درحقیقت آپ سب شرفا مختلف ریاستوں کے وزرا بڑے بڑے زمیندار چھوٹے چھوٹے تعلقہ دار۔ قانون پیشہ۔ تاجر۔ دستکار۔ ریکیشن ایجنٹ۔ خوردہ فروش۔ دلال۔ چودھری۔ کفش فروش ہوٹل والے ٹھیکہ دار اور دیگر ہند و مسلمان۔ عیسائی۔ یہودی۔ بودھ ۳۶۵ دن کچھ گھنٹے اور اتنی ہی راتیں میرے تحت و تصرف میں رہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ جو جدید قانون میں نے آپ صاحبوں پر بغرض اقتدار و اعزاز سلطنت قایم کی ہے۔ اس کا اصل ماخذ قائمقام جماعت کے وہ اصول ہیں۔ جن کی بنیاد موجودہ پولٹیکل واقعات عالم پر کامل تدبر کے بعد ڈالی گئی ہے۔ اور جس کا تمام تعلق ایک گروہ کی پولٹیکل ہمدردی یا ناراضی پر ہے۔ جس کا اثر مختلف مقامات پر مختلف صورتوں میں واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔ میں آپ صاحبان کا مشکور ہوں کہ آپنے اس امر کا مجھے موقع دیا کہ میں تمام عالم کے ان ناجائز خیالات کی اور ان کے اس غیر و قبیح عزم کی کہ وہ پولٹیکل تاریخ میں تبدل و تحرف کرنے کے اُمیدوار ہیں ۔ ۔ ۔ ایک تردید کر کے زبردست غلط فہمی کو ہمیشہ کے لئے مٹا دوں۔ بحیثیت حاکم میرے لئے یہ امر باعث مسرت ہے کہ میں آپ کی ایک غیر متوقع آرزو کا رفع شک کر دوں۔ آپ لوگ جو فی نفسہ ایک فاتح اور حکمران قوم کی ناخلف اولاد یا تقویم پارینہ ہیں انگلستان کی حیرت اور آزادی اور تلی پھاڑ ڈالنے والی کارروائی اور امن و عافیت پر حسد کر کے اپنا دلی بخار نکالنے کے واسطے اپنی دائمی قید کی میعاد کم کرنے کی جو آرزو کی ہے وہ بظاہر ایک دلخوش کن جملہ ضرور ہے۔ اور میں نے بھی بمصلحت دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز پر عمل کر کے اس دور از عقل جملے کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا تھا مگر اب کہ میں چند روز کا مہمان ہوں اس امر کو ذہن نشین کرنے کی کوشش میں کامل حصہ لیکر کہتا ہوں کہ جو

ایں خیال است و محال است و جنوں۔
آپ سے پیشتر جو قومیں اس جنون میں مبتلا ہیں وہ سب ایکدن کالنجی ہوس میں داخل کیجائینگی اور خدا جھوٹ نہ بلوائے تو ایک دن آپ کو بھی اس خیال پر ایسا ہی دن نصیب ہوگا۔
انگلستان ہمیشہ مصائب دنیاوی سے پاک اور مبرا ہے۔ مسٹر مارلے وزیر ہند روشنخیال جلوہ گر ہیں۔ تجارتی کشمکش سے اور ریل کی کھینچ کھانچ سے غلہ کا نرخ ہندوستان اور انگلستان میں برابر کا ہوجائیگا۔ اور ہر شخص آزادی کا تمغہ گلے میں لٹکائے گا۔ میرے زمانۂ حکومت میں اسقدر اندھیر نہیں ہوا۔ ابھی جن لیڈیوں نے ممبری کے سودا کی مادہ کو پکایا تھا۔ ان کو جیلخانہ بھیجدیا۔ ہاں دو واقعے دلشکن ہوئے۔ ایک لیڈی کرزن کی رحلت دوسرے مسٹر طیب جی کی وفات۔ اسی طرح ٹرکش کے ساتھ میرے سلوک مابہ الامتیاز رہے۔ حجاز ریلوے کی تبوک تک تکمیل۔ مصر و عدن کے سرحدی معاملات کا بخیر و خوبی فیصلہ ہونا۔ سرحد ایران کا باہمی سمجھوتہ کربلا و بغداد کا تصفیہ۔ سلطان کا بعد علالت صحتیاب ہونا۔ یہ ہماری کامل تدبیر اور دانشمندی کی ایک کامل دلیل ہے۔ کیونکہ مابدولت کو ہمیشہ اس امر کا خیال رہا۔ کہ عالم کون و فساد ہمارے قدوم سے سلیخ قصاب نہ بنے۔ روس کی عنان حکومت گو ہمارے ہاتھ میں رہی مگر سنہ زور گھوڑے ہمیشہ کھایا کرتے ہیں۔ اس سبب سے وہاں بغاوت کا بم پھوٹ نکلا۔ اور عام بلوے اور قتل و غارت کی شکایت۔ وزراء کا مستعفی ہونا۔ رعایا کا ہڑتال کرنا سیاسی مطلع کا ایک سخت انقلاب ہوا۔ اور یہ سب ہماری مرضی کے خلاف ہوا۔ ایران میں آزادی اور حرّیت کے جوش کو دیکھکر آخر ہمنے پارلیمنٹ قایم کردی۔ جس کے اراکین اگر انجام بینی سے کام لیں تو آنے والے خطرے کی بہت کچھ پیشبندی کرسکتے ہیں۔ ایران کو ۴ لاکھ پونڈ کی ضرورت ہے جس کو روس اور انگلستان پورا کریں گے۔ ان باتوں سے تو انہی لوگوں کی تسلی ہوسکتی ہے جو دول یورپ کی چالوں اور انکی قدیم عادات سے واقف نہوں۔ ہمیں تو قوی اندیشہ ہے کہ روس و انگلستان کا اتفاق ایران کے حق میں اہم انقلاب اور پریشانیوں کا موجب ہوگا۔
مراکش کا زائچۂ تقدیر منجمان اسپین و فرانس کے تحت و تصرف میں آچکا۔ گر معلوم نہیں کہ اس بدنصیب سلطنت کے مقدر میں کیا لکھا ہے۔ اب بھی گھڑی گھڑی اس کی بدامنی ابتری اور فساد کی عام خبریں روباصلاح نہیں ہوتیں۔ جرمن اور فرانس خدا سے چاہتے ہیں کہ مراکش لڑ مرے تو ہمیں تسلط کا موقع ملے۔ لہذا ہمنے اپنے دوران حکومت میں جو طرز عمل اختیار کیا ہے۔ وہ

بلا خیال مذہب و ملت تمام موجودہ اور آیندہ آبادی - حقوق جائز و ناجائز کے لئے من حیث المجموع نہایت مفید اور کارآمد ہے - پس تم تمام حیوانان ناطق کو چاہیئے کہ بکری بندر کی طرح کان دبائے ہوئے اینجانب کے انصاف پر اعتماد و اثق مثل سابق رکھو تاکہ تمہاری وفاداری کو ہمارے دل میں جگہ ملے -

اب ہم آپ لوگوں کو اپنے وہ حالات دکھانا چاہتے ہیں جو ایک بھانمتی کے تماشے سے کم دلچسپی نہ رکھتے ہونگے - یعنی ہندوستان جنت نشان کی اندرونی و بیرونی حالت - اس میں شک نہیں کہ ہمارا وجود ہندوستان کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھا - اور ہم مشکور ہیں کہ ہندوستان نے ہمکو میٹھی نگاہوں سے دیکھا - اور ہمارے احکام کو بسر و چشم منظور کیا -

پہلا موقعہ خوشی کا ہندوؤں کے واسطے سر سریندر ناتھ بنرجی راجہ کی تاجپوشی کا جلسہ تھا جس سے سودیشی تحریک کی دنیا میں ایک تازہ روح پیدا ہو گئی - اور بائیکاٹ کے جھگڑوں نے ترقی اختیار کی - گو مالی حالت کیسی ہی رہی ہو - لیکن لال شکر کے کھانیوالوں نے سفید شکر کی طرف رخ نہیں کیا - اور گزی گاڑھے کے پہننے والے اپنی سادہ پوشاک میں خوش رہے - نان پاؤ کے کھانیوالے سوکھی روٹیاں کھانے لگے اور مٹن چاپ اڑانے والے چٹنی پر قانع رہے - تقسیم بنگال کی سالگرہ بھی ہوئی اور برسی بھی کی گئی - اسلامی ڈپیوٹیشن کی کامیابی پر بنگالی بیچ و تاب کھایا کئے - اور آریہ سبھا تماشا مچایا کئے - اور تعجب کی جگہ یہ ہے کہ کانگریسی احباب جو ہمیشہ مسلمانوں کو پولٹیکل تحریک میں شریک ہونے کی دعوت دیتے تھے - وہ بھی مسلمانوں کے خلاف ہو گئے - ملا عبد القیوم کا انتقال ہو گیا جس کا صدمہ ہندو مسلمانوں کو برابر ہوا - حیدرآباد سندھ کے سرکاری خزانہ میں آگ لگ گئی - نواب صاحب بہاولپور بذریعہ اسپیشل ٹرین بمبئی کو اور وہاں سے بذریعہ جہاز بارادۂ حج مکہ معظمہ کو تشریف لے گئے - حیدرآبادی جشن جوبلی کی خوشی میں دن عید رات شب برات تھی - ریاست حیدرآباد بیقاعدہ فوج میں ۴ ہزار کی تخفیف کرنا چاہتی ہے - مشرقی بنگال میں حکم دیا گیا ہے کہ مسلمان عہدہ دار کسی سیاسی جلسے میں خواہ وہ تقسیم بنگالہ کے خلاف ہو شرکت نہ کریں - ہندوستان میں امیر صاحب کی تشریف آوری بزم سیاحت نہایت مسرت کا باعث ہے - آگرہ میں دربار کی سجاوٹ اور زیبائش کے لئے ۴ لاکھ خرچ منظور کیا گیا - سر فلر کا مستعفی ہو کر تشریف لیجانا مسلمانان بنگال کے واسطے مزید رنجیدہ ثابت ہوا - لاٹوش صاحب کی رخصت صوبہ متحدہ میں باعث رنج ثابت ہوئی - مولوی عبد الغفور خان صاحب

مدار المہام کا انتقال اسکندریہ میں ہوا۔ صد افسوس۔ لیکن چونکہ آپ حضرات کو ہماری حکمرانی۔ انصاف پسندی۔ نیک نیتی پر اعتماد کلی ہے۔ میں مشکور ہوں کہ آپ نے ان تمام واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا اور صبر کیا۔ مجھے یقین ہے کہ اسکو آپ حضرات بھی تسلیم کریں گے۔ کہ میں نے اسوقت آپ کی تمام موجودہ جزئیات میں تبدل و تحرف کیا۔ وہ مبنی تھا میری نیک نیتی پر۔ اور میں ایسا کرنے پر مجبور تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مجھسے پیشتر جتنے حاکم آئے۔ سب نے بڑے بڑے ظلم اور چھوٹے چھوٹے رحم کئے ہیں۔ جن کی تفصیل بیان کرنے سے میں قاصر ہوں۔ وہ تمام مراتب جن کی حسرت آپ کے دلوں ہی ہے۔ آپ کے آیندہ حاکم کے ذہن نشین کرونگا۔ آپنے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اکثر حالتوں میں موجودہ انتظاموں کے رو سے جیساکہ آجکل ہے بہت سی قوموں کو بجائے نفع پہونچنے کے ایک سخت نقصان کا اندیشہ ہے۔ حضرات! مجھے آپ سے اس امر میں اتفاق کلی ہے (نعرہائے تحسین)

بہرحال اسوقت میں صرف آپ سے چپکے سے اسقدر کہہ سکتا ہوں کہ آپ لوگوں کو یقین کامل رکھنا چاہئے۔ کہ جیسی آسایش تمام ہندو مسلمانوں کو میرے وقت میں حاصل ہوئی ہے۔ وہ تو میسر نہ آئے گی مگر پھر بھی زائد گول مال نہ ہوگا۔ آپ کے حقوق و اغراض کی کامل نگہداشت کی جائے گی۔ اور آپ کو اور نیز تمام رعایائے گورنمنٹ کو اعتماد کامل رکھنا چاہئے کہ وہ تمام اقوام کے قوام روایات کی ویسی ہی عزت کرتی رہیگی۔ جیساکہ اُسے فخر ہے کہ اسوقت تک ہوا ہے۔ اور میں آپ کو یہ بھی یقین دلانے کی کوشش کرتا چاہتا ہوں۔ کہ آیندہ آپ مرنے بھرنے کے بعد تمام ہندو مسلمان الگ الگ ہو جائیں گے (نعرہائے نفرین) مہربانی فرماکر میرے اس بیان سے آپ لوگ مزید غلط فہمی کی دلدل میں پھنسنے کی کوشش نفرمائیے۔ میں وہ اسباب بیان کرنا نہیں چاہتا کہ جن سے ہر دو اقوام میں اتحاد و ملت قایم ہو جائے۔ لیکن مجھے اطمینان ہے کہ وہ اصول جن سے دونوں قوموں میں یکجہتی اور میل جول پیدا ہو وہ ہندوستان جیسے وسیع ملک کے لئے مناسب اور موزوں نہیں ہے اور اس سے سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ قحط سالی اور افلاس نے آپ کو بھوکوں مار کر اور ننگا پھرا کر کسی تہذیب کا مادہ قبول کرنے کا نہیں رکھا۔ اور فاقہ مستی نے آپ سب صاحبوں کو خود غرض اور اپنا پیٹ پالنے والا حیوان بنا دیا ہے۔ قحط سالی نے بھوکوں مارا تو افلاس نے ننگا پھرایا۔ اب کوئی شک ہو سکتا ہے کہ آپ لوگوں میں آدمیت کا مادہ باقی رہگیا۔ ہر شخص نفسی نفسی میں پڑا ہے۔ مثل ہے کہ بھوکے شریف سے ڈرنا چاہئیے۔ پھر کیا آپ

کہہ سکتے ہیں کہ فاقہ کشی رہی۔ جبکہ آپ لوگ۔ نان شبینہ تک کو محتاج رہیں اتفاق اور اتحاد کو قایم رکھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ حرص اور غصہ نے ایک دم سے سب کو چیٹ کرنا شروع کیا۔ کبھی یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں بھاگتے پھرے۔ اس میں جانیں بھی تلف ہوئیں اور مایۂ بساط بھی زوال پذیر ہوتا رہا۔ چھوٹی مچھلیوں کو بڑی مچھلیاں کھا گئیں۔ تعصب کی آتش نے دونوں کو از کار رفتہ کر دیا۔ اب آپ لوگوں پر ایک بھیر اجیر توپ بندوق سے حکومت کر سکتا ہے۔ اور آپ کی زمین ایک چھوٹے سے مدبر کے ہاتھ میں رہ سکتی ہے۔

آخر میں نہایت صدق دلی سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ کی بدولت چند روزہ حکومت کر لی اور جہاں تک مجھ سے ممکن ہوا میں اسباب کی کوشش کروں گا کہ آئندہ ہر غنڈہ آپ کے ساتھ زیادہ کاٹ چھانٹ نہ کریں۔ چاہے بھوکے مریں۔ ننگے رہیں لیکن جانیں سلامت رہیں ؎

لال بجھکڑ کا لکچر

گذشتہ ہفتہ میں ایک چہ معزز لکچر چہ مسٹر لال بجھکڑ نے دنیا کی جوتی پیزار پر مقام اجاڑ نگر ضلع نیت و نابود میں دیا تھا۔ اور جس میں ما مگر بھیڑ قومی پر ایک سخت حملہ کیا تھا۔ جنگلی زبان سے ترجمہ کر کے ہدیۂ ناشناسان کیا جاتا ہے۔ وھو ھذا

صاحبو! آپ نے وحشت آباد کی یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ مجھے فخر ہے کہ یہ ایسی قابل درسگاہ ہے جہاں مسٹر کو کھلاہٹ دھتوری شیخ چلی جیسے آزاد خیال فلاسفر پیدا ہوئے ادب تہ کیا ہے۔ مجھے شروع سے اجاڑ نگر ضلع نیت و نابود کی زیارت کا شوق ... یہ شوق اس مقصد پر مبنی تھا کہ میں غیر مہذب صاحبوں کی زیارت کا شرف حاصل کروں جب تک جیسے افریقہ کے کوہستان میں تھا تو میرا یہ خیال تھا کہ اجاڑ نگر کا مستقبل ... چنانچہ آج مشاہدہ سے میں اپنے خیال کی تائید پاتا ہوں۔ میرا مقصد خاص یہ ہے کہ دنیا کے معاملات میں دلچسپی حاصل کروں اور اسکی حالت یہ ہے کہ:-

اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند
روز و شب در زق زق و در بق بق اند

خاصکر ہندوستان جنت نشان کے ہندو مسلمانوں کی حالت غور طلب ہے۔ طرز تعلیم کا مسئلہ
عملی طور پر حل کر لے میں میں اسپر بحث کرونگا۔ کہ آج جو طرز تعلیم جاری ہے وہ ہندوستانیوں کو
بہتر بنانے کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ میں ایک سرے سے تعلیم کو ہندوستان کے دل و دماغ
کے خلاف سمجھتا ہوں۔ جوں جوں یہ تعلیم حاصل کرتے جاتے ہیں اور پستی کی طرف نزول ہوتا
جاتا ہے ؎ لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا
اینجانب علیہ الکھوپڑی کے بیان کی شہادت اس سے بڑھکر اور کیا ہوسکتی ہے کہ عموماً جاہل
اور ان پڑھ خدا ترس اور نیکدل معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان میں ایثار نفس کا مادہ موجود ہے!
دیکھئے بوجھا اُٹھانے والے مزدور سب جاہل ہیں۔ بھیک مانگنے والے خدا کے نیک بندے
سب اجہل ہیں۔ کاشتکار جاہل لوہار بڑھئی چمار سنار دھوبی سقے سب جہالت کے دریا میں
غوطے لگا رہے ہیں۔ اور ان میں ایثار نفس کا مادہ موجود ہے۔ ایثار نفس اس سے بڑھکر اور کیا
ہوسکتا ہے۔ کہ ان کو کسی مشقت میں عار نہیں ہے۔ (نعرہ تعریف) اگر خدانخواستہ یہ تعلیم
کے جوہر سے آراستہ و پیراستہ ہوگئے اور ان کے دل و دماغ میں ہوائے حکومت سما گئی۔
تو تمام شرفائے شہر کی مٹی خاک میں مل جائیگی۔ اور ان کو سوائے بھیک یا افیون کھا کر
سو رہنے کے اور کچھ نہ بن پڑے گا۔ میرے نزدیک تعلیم کا دروازہ یکلخت بند کر دیا جائے۔
اور انگلش ڈگریوں میں سب کو آراستہ و پیراستہ کرکے گدھوں کی طرح بوجھا لادا جائے۔ اور
کھیل کھیلنے کی ڈگری دیدی جائے۔ ورنہ صاحب لوگوں کی طرح ٹفن کھانے کے عادی
ہوگئے تو یہ تڑتڑوالا ان سے چھوٹنا محال ہے۔ بہرحال کچھ ہو تعلیم کے میں سراسر خلاف ہوں۔

؎ پڑھوگے لکھوگے تو ہوگے خراب
جو کھیلوگے کودوگے ہوگے نواب

اس اثر کو طلبائے علیگڈھ کالج نے اچھی طرح محسوس کر لیا۔ اور آئیندہ پرنسپل صاحب کی
عنایت سے امید ہے کہ وہ تعلیمی وردی کو پھونک دینگے۔ اور اس الماغوچی کشمکش سے نجات
حاصل کرکے مزے اُڑائینگے۔ اے ٹرسٹی صاحبان اس خیال کی تائید کرکے مدد دیجئے۔
مجھ اس کے معاوضہ میں تعلیم نسواں فائدہ وہ ثابت ہوگی۔ بشرطیکہ آزادی کے ساتھ حاصل

کرنیکا کھلا کھلا موقع دیدیا جائے۔ ہر شہر میں نارمل اسکول جاری ہوں۔ پردہ کی قید اٹھادی جائے۔ زنانہ کانگریس اور زنانہ کانفرنس منعقد ہو زنانہ ڈیپوٹیشن ترقی بیگم کی خدمت میں روانہ کیا جائے۔ زنانہ نمائش گاہ کھولی جائے جس میں منتخب روزگار بیڈیاں شریک ہوکر مردوں کی دلچسپی کا پورا پورا سامان مہیا کردیں۔ زنانہ پولیس مقرر ہو جو رات کو پہرہ دیا کرے۔ زنانی کچہریاں ہوں۔ زنانہ پارلیمنٹ مقرر ہو۔ زنانہ فوج باقاعدہ ہو جن کے پاس بجائے کرچ تلوار بندوق کے تیر مژگان اور تیغ نگاہ کے قدرتی ہتھیار موجود ہوں۔ اور یہ زنانہ عملداری کو حکومت کیا کرے (چیئرز)

صاحبو! تعلیم کے فواید سے تو ہندوستان کے تمام لوگ آگاہ ہوگئے کیونکہ اس مقدس سرزمین پر ایک قوم پہلے حکمرانی کرچکی ہے جس کی زبان سنسکرت تھی سب کو معلوم ہے کہ اس زبان میں نہایت عمدہ نفیس کتابیں فلسفہ اور لاجک کی موجود تھیں اس کے بعد ایک زمانہ وہ آیا کہ جب ہم لوگ یہاں آکر آباد ہوئے جنہوں نے علم کو بہت ترقی دی۔ بغداد۔ قرطبہ۔ غرناطہ کے دارالعلوم کیا یادداشت کے صفحے سے مٹ سکتے ہیں۔ ہمارے ہی اسلاف تھے جنہوں نے پرانے یونانی علوم کو ایسی ترقی دی گویا ذرّہ سے آفتاب بنادیا۔ پھر نتیجہ کیا ہوا۔ شائیں شائیں فش۔ آج غیر ملکوں کی جاہل قومیں بھی ہماری نسبت بہت اچھی حالت میں ہیں۔ یورپ اگرچہ فی زمانا علوم وفنون میں ضرب المثل ہے مگر پرانی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو یہ نعمت اسپین کے دارالعلوم نے دی۔ پھر نتیجہ یہ ہوا کہ گرو گڑ ہی رہے شاگرد شکر ہوگئے۔ ہندوستان کے ہندو مسلمان کو تعلیم راس نہیں۔ نزلہ بر عضو ضعیف میریزد یہ لوگ جتنا پڑھتے جائیں گے اتنا ہی گدھے ہوتے جائیں گے چنانچہ فی الحال ایک ہیڈ کلرک بنگلور میں غبن کے جرم میں ۲ سال کی قید اور آٹھ ہزار روپیہ جرمانہ کا سزایاب ہوا یہ ساری آفت بیچارے کو علم کی بدولت بھگتنا پڑی۔ ایک اور اہم مسئلہ اتحاد اور اتفاق کا ہے اسکی نسبت میری رائے خلاف ہے۔ درحقیقت ہندوستان میں اتحاد اور اتفاق نہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ بات مشہور ہے کہ زیادہ مٹھاس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں ہندو مسلمان کا آپس میں کٹ کٹ کر مرنا بہت اچھا ہے۔ ملک کی آمدنی برقرار رہتی ہے وکلا کی جیب بھری پُری رہتی ہے جیلخانہ کا بازار گرم رہتا ہے۔ ہر پھٹول ہولی کا مزا دیجاتی ہے پولیس کی مٹھی گرم ہوتی ہے جھوٹے گواہوں کو رقم کثیر حاصل کرنیکا موقع ملتا ہے۔ اہل عملہ کو گرہ کاٹنے کا موقع ملتا ہے۔ اخباروں کی اشاعت میں ترقی ہوتی ہے۔ تعجب اور ہٹ دھرم

کا درخت بارآور ہوتا ہے۔ ایک بیوقوف کبھی چکنی چپڑی باتیں کر کے چند اشخاص کو اپنا ہمخیال
بنا لیتا ہے۔ اور خود لیڈر بننا چاہتا ہے۔ تو دوسرا عقلمند اس جال کو توڑ تاڑ کر پھینکدیتا
ہے۔ مزا تو اس میں ہے کہ ایک لارڈ کرزن کو کوستا ہے۔ تو دوسرا دعاؤں کا مینہ برساتا
ہے۔ ایک سر ولر کو بے نقط سناتا ہے۔ تو دوسرا ان کی ستائش میں بیحد مبالغہ سے کام لیتا ہے
نتیجہ یہ ہے کہ دونو نااہل جھوٹے کھلانے ہیں سمجھدار چندیا سہلاتے اور کبھی کھاتے ہیں۔
غرضکہ اس گپ شپ سے لوگوں کا بھلا ہو جاتا ہے۔

چونکہ بنگال کے متعلق سوشیل ریفارم سے خاص دلچسپی رکھتا ہوں اور میں خیال کرتا ہوں
کہ میں نے کسی حد تک تمام آلم غلم سوسائٹیوں کے قواعد کو عام طور پر اصلاح دی ہے۔
اس وجہ سے اسکے ضروریات کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ آیندہ اتفاق کی امید رکھنا بیوقوفی اور
سفلہ پن ہی نہیں ہے۔ بلکہ حماقت در حماقت ہے۔

الغرض میں وہی کہنا چاہتا ہوں جو شیخ چلی۔ مرزا ستا اور لالہ بوکھل نے کہا ہے۔
ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنانا چاہیئے۔ اپنی ہنڈیا اپنی ڈوئی۔ در حقیقت یہ ایک بڑا وسیع
اور نازک مسئلہ ہے۔ لیکن صاحبان آپ سب جانتے ہیں کہ اب وہ پرانا دقیانوسی زمانہ
رخصت ہو گیا۔ اور اب زندگی کے تمام مشاغل میں عام بیداری پیدا ہوتی جاتی ہے اور
نئے ترقی یافتہ خیالات اپنا قدم آگے بڑھاتے جاتے ہیں۔ اور یہ مشرق اور مغرب کی نزدیکی
تعلق کا نتیجہ ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ قوم میں حد درجہ کی خوشامد اور سیاہ دلی اور مجموعہ دیگرے
نیست کا مادہ سما رہا ہے۔ صاحبو مجکو اب یاددہانی کی کوئی ضرورت نہیں کہ اگلے زمانے میں
ہر قوم میں ایک چودھری یا میر محلہ یا بزرگ ہوتا تھا۔ جس کا لحاظ اور پاس تمام قوم پر واجب
تھا۔ مگر فی زمانہ وہ شخصی حکومت اٹھ گئی اور ہر محلہ میں پارلیمنٹ قایم ہونے لگی۔ اور ایک
عام ہڑبونگ مچ گئی ہے۔ جس کو دیکھو بجائے خود شیخ چلی بنا ہوا ہے۔ اور یہ احمق الذین کبھی
کا فتنہ لوگوں کی غیبت پر روتے ہیں۔ کبھی ٹکس کے بارگراں کی شکایت کرتے ہیں غرض
وہ غل غپاڑا مچا رکھا ہے۔ جس سے ہمارے ہند میں خلل پڑ گیا ہے۔ ان بیہودہ خیالات کی
طرف ہم توجہ نہیں کرنا چاہتے۔ رونا پیٹنا عورتوں کا کام ہے ؎

تا مردی و مردی قدمے فاصلہ دارد

چلتے چلاتے اینجانب کی توجہ میں ایک بات آتی ہے۔ کہ جب تک قوم اپنی اصلی حالت پر واپس

نہ آئیگی۔ اسکی ضرورت نہ ہوگی۔ گویا معنی کہ پرانی چکیاں ہوں۔ وہی کچے مکان ہوں۔ وہی پونی چرخہ ہو۔ کاغذ کے بدلے بھوج پتر ہو۔ سب کی سادی غذا ہو۔ وہی تنقی وہی بنوئی۔ وہی گزی گاڑہا ہو۔ ریل بند کر دی جائے۔ بیل بھینسے ہوں ستو ہا ہو۔ کوئی سفر پیدل کرتے ہوں کالی کملی انگوچھا وہی ایک ضرورتی زینت سوت کی جو آپ بنانے جیا ہیے۔ چھڑ ہا جوتا وہی لہنگا وہی ساڑی اسکے برتے نباہ کیا جاسکتا ہے۔ [illegible] شکر کیجئے شیر ہو تو آج ملک سنبھل سکتا ہے۔ [illegible] کا مزا چھوٹنا مشکل ہے۔ چپ

اب تو چسکا پڑ گیا کمبخت پی کا بیٹی

راقم لال بجھکڑ

ملکی ریفارمروں کی خدمت میں اپیل

کیوں حضرات آپ لوگوں نے باوجود جامہ مردمی کے زنانی طرفداری کا بیڑہ اٹھالیا اور پردہ کے غیر ضروری ہونے میں مسئلے ڈھال ڈھال کر ملک میں زنانہ جوش پھیلانا شروع کیا۔

حالی صاحب کو کچھ نہ معلوم ہوا تو نکاح بیوگان پر بہت دھوا دھار نظمیں لکھیں عورتوں کی بیکسی بے بسی دکھائی اونکی [illegible]ت ثابت کی۔

مولوی نذیر احمد صاحب نے ایامی لکھکر ملک کو متوجہ کیا۔ کہ بیوہ عورتوں کی شادی کیجائے اس بارے میں قرآن و حدیث سب ایک کر دیا عقلی اور نقلی دلائل سے پایۂ ثبوت کو پہونچادیا کہ ملک کی اندرونی حالت کا مطلع مدت مدید سے مکدر ہو رہا ہے۔ اسکی خاص وجہ بیوہ کی آہ سحری ہے۔

دنیا کا کوئی تذکرہ ایسے عجیب اور دہشتناک انقلابات کی نظیر نہیں پیش کر سکتا جیسی کہ

ہندوستان کی تاریک حالت ہے۔ اس کی عام وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے تاریخی اوراق بیکس بیوہ کی نامراد آہوں سے چھپے ہوئے ہیں۔ اور مزا یہ ہے کہ اس ستم رسیدہ کی نئی اور پرانی روشنی والے دونوں شریک ہندو مسلمان سب ایک تمام ہندوستان اس بربادی میں شریک ہیں۔ بلکہ قدیم تاریخ کی آنکھ تو انکی پر درد حالت پر اور بھی خون کے آنسو بہاتی ہے۔

اس خفیف الحرکتی کے اسباب کی بدولت ہندوستان کے غافل ہندو مسلمانوں نے ایک کروٹ بدلی اور بیداری کے کچھ کچھ آثار نظر آنے لگے۔ لیکن ابھی تک اصلاحی اثر بہت کم قبول کئے گئے۔ صرف اخباروں میں غل غپاڑہ مچایا گیا۔ اور بیوقوف ہندوستان کی دولت لوٹنے والوں شاطروں نے اس میں بھی اپنا کام کر لیا۔ ہماری یاد میں بدقسمت ہندوستانی کبھی کسی امر میں اتفاق سے کام نہیں لیتے۔ لیکن بخلاف اپنی جبلی عادت کے شادی بیوگان میں سب خود غرض تنزل طلب اور مدبر نکیدل چھوٹے بچے بڑے جوان سب ایک زبان ہو کر سہ تن کوشش میں مشغول ہوئے اور انکی آزادی اور حریت کے دعوے کو جلی حرفوں میں لکھکر ملک میں پیش کرنے لگے۔

لیکن اس کے ساتھ مردوں کی خواہش کا پہلو نہایت تاریکی میں چھپا دیا۔ اور ان کی اشتہا کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیں۔ اور انکی آزادی کے سامنے ایک آہنی دیوار کھڑی کر دی۔ سوا اسکے کہ شریعت کا عام حکم مردوں کے واسطے چار نکاح تک کر نیکا ہے۔ اور درحقیقت دنیاوی لحاظ سے اس کی ضرورت بھی تھی۔ کہ اگر پہلی بیگم صاحب سے کچھ کھٹ پٹ ہو جائے تو پریشان خاطری سے سر دھننے کی حاجت نہ رہے۔ بلکہ دوسرے محل میں آرام سے بسر ہو اور جو وہاں بھی رنج کا سامان رہتا ہو تو تیسری راحت دل بغل میں ہو۔ اسکے بھی ناز و غمزہ کا نخرا بیشتر حد اعتدال سے زیادہ ترقی کر جائے۔ تو چوتھی ماہوش پری پیکر حور جنت چوتھی کی دلھن بنکر بستر استراحت کو بغل کو گرم کرے۔

مگر مدبران ملک نے اس دروازے ہی کو بند کر دیا۔ اور ایک شادی سے زیادہ ناجائز قرار دیئے۔

مولانا نذیر احمد صاحب تو دو بیبیوں سے بھی انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کبھی محبت کے دو حصے نہیں ہو سکتے ؎

ہم معتقد دعویٰ باطل نہیں ہوتے پہلو میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

پھر کہتے ہیں اور صلاح دیتے ہیں کہ زنہار ہرگز دو بیبیاں نہ کی جائیں۔ ورنہ مبتلا کی طرح جان آفت میں ہو جائے گی ؎

میری سخن اگر نہیں گوش قبول کر
دو بیبیاں نہ کیجیو زنہار بھول کر

اب بتائیے کہ ایک بیوی کو جب یقین کامل ہو گیا۔ کہ میاں آگے قدم نہیں اٹھا سکتے۔ تو بھلا وہ کب سیدھی رہنے والی ہے۔ اس کا دماغ عرش معلی پر کیونکر نہ پہنچ جائے۔ وہ سمجھتی ہے کہ میاں کی معراج ترقی کی حد بھی یہ قرار دیدی گئی ہے۔ حرام کی شریعت نے اجازت نہیں دی اور دو بیبیوں سے ملا نے پرہیز لکھدیا اب جو کچھ ہوں میں ہی ہوں۔ اس سے تمام مردوں کے اقتدار میں بٹہ لگ جائے گا۔ اور ان سے محبت و اتحاد کا ایک لمحہ بھی انکے دماغ میں گذر نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ آزادی اور حریت کے خیال نے اس فرقے کے کان میں کچھ اور ہی پھونک دیا ہے۔ بہرکیف عورتوں کی چل پیل کو اب عام نگاہوں سے مردوں کو نہ دیکھنا چاہیئے۔ اور اس زنانہ بغاوت کی آتش کو مردانہ بہادری سے بجھانا چاہیئے۔ کیونکہ ہمارے اقتدار کے واسطے یہ شورش سخت مضر ہے جاپان اور روس کی لڑائیاں سنکر عورتوں کا آزادی کے واسطے غل غپاڑہ مچانا کچھ بیجا نہیں ہے۔ بہرحال گو ملکی مدبر اس امر کو دنیا کی ترقی کے واسطے نیک فال سمجھتے ہوں۔ لیکن ہماری ذاتی رائے اس کے خلاف ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک طرفہ ڈگری دینے والے حضرات اگر ہماری اپیل پر غور نہ کریں گے۔ تو مردانے تمام مقدمے ڈسمس ہو جائیں گے۔ اور انگلستان کی طرح ہندوستان بھی اس امر میں بکھر کر رہ جائے گا۔

ملکی بہروپیے

آنکھ تصویر کی سو رنگ بدلتے دیکھے

جس طرح بعض بہروپیے تماشہ کے واسطے اپنی وضع قطع مردمی - انسانیت سے ہاتھ دھو کر لہنگا۔ ساڑی یا پاجامہ۔ دوپٹہ محرم پہن کر ناک میں نتھ کانوں میں بالیاں۔ پور پور چھلے۔ گلے میں طوق غرض طرح طرح کے زیورات پاؤں میں مہندی ملکر عام خلقت کو تماشہ بناکر زنانہ لباس میں بہروپیہ کا سوانگ لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض حضرت فرزند ہندو مسلمان ہیں۔ جو محض بیجا خوشامد اور ملک میں ترقی اور تمغہ آمیز تہذیب کی دھن میں اپنی آبائی طرز و روش کو چھوڑ کر مرزئی - انگرکھا۔ کرتہ۔ دھوتی۔ پائجامہ۔ لنگوٹا۔ عبا۔ قبا۔ چوغہ۔ چپکن۔ دوپلی ٹوپی۔ پھینٹا۔ پگڑی۔ شملہ دیسی لباس پوشاک کو خیرباد کہکر مجازی جنٹلمین بننے کی فکر میں داڑھی مونچھوں کا صفایا بولکر افلاس اور مصیبت کو اپنے گلے کا ہار بنا لیتے ہیں جو ملک کی تباہی اور بربادی کا ایک پیش خیمہ ہے۔

اس مبارک زمانے میں جبکہ گورنمنٹ کے عالی شان اور بے نظیر اقبال کی وجہ سے اعلیٰ درجے کا امن و اطمینان حاصل ہے۔ افسوس ہے کہ ان برکات سے ہمکو فائدہ اٹھانے کی مطلق لیاقت نہیں بلکہ روز بروز قعر ذلت میں گرتے جاتے ہیں اس سے بڑھکر اور بدنصیبی کیا ہو سکتی ہے ہندوستان کی قحط سالی جس وضعداری سے اپنا قدم آہستہ آہستہ ترقی کے میدان میں بڑھاتی جاتی ہے اور جس سلامت روی کی چال سے دل میں گھر کرتی جاتی ہے۔ وہ قابل تقلید ہے۔ لاکھ پیداوار ہو مگر نیک بخت اپنی جگہ سے ٹلتی ہی نہیں بلکہ روز بروز گرانی کا یہ تخت السر کو چلا جاتا ہے اکثر بندگان خدا آٹھ پہر کی مزدوری کے بعد چار پانچ دم سے ٹکڑا اٹکڑا کھا کر بسر کرتے ہیں اور فاقے اور سردی کے مارے سفر خدا ہو رہے ہیں۔ ایک طرف افلاس اور مصیبت کا یہ رونا دوسری طرف ہمارے جدید تعلیم یافتہ بھائی نیم وحشی ہندوستانی مہذب انگلستان کی تقلید میں انگریزی چال ڈھال خورد و نوش وضع قطع کا چربہ اتار رہے ہیں۔ کوٹ اور کوٹ پتلون کالر ٹائی ہاتھ میں پتلا ڈنڈا۔ ڈاسن کا بوٹ۔ رپ رپ کرتے ہوئے ترقی کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ جدید تہذیب کا جامہ

پہن لیا ہے۔ پرانا اسباب پھینکا جاتا ہے۔ موجودہ فیشن کے مطابق کمرہ آراستہ کیا جاتا ہے۔ تصاویر مختلف مقامات کے نقشے۔ گلدستے۔ فوٹو۔ ہر قسم کی شراب۔ چھری۔ کانٹا۔ میز۔ کہاں تو دال روٹی روکھی سوکھی بانٹ کر کھانے والے۔ کہاں یہ اصراف بیجا۔ آئے تو کہاں سے نتیجہ یہ ہوا کہ قومی ہمدردی اور بہی خواہی اٹھتی جاتی ہے۔ ہر شخص اپنے اخراجات کافی طور سے مہیا نہیں کر سکتا۔ سرکاری ملازمت عنقا مصیبت اور افلاس دامنگیر۔ ایسی حالت میں اپنے متعلقین کی معیشت کی فکر کیا خاک کرے جبکہ اپنا ہی بھلا نہیں ہوتا طرہ یہ کہ انکی دیکھا دیکھی ان کے اور ہم صحبت چاہے انگریزی جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں اسی پوشاک اور اسی لباس میں کھسکتے آتے ہیں۔

پچاس روپیہ کی تنخواہ اس میں گرمی سردی جاڑا برسات کوٹ پتلون لازم ہوا پچاس روپیہ تو اکیلے صاحب بہادر کے فیشن کی نذر ہو جاتا ہے۔ اس مہنگی کے زمانے میں کھانے کو کہاں سے آئے۔ رفتہ رفتہ اگلی ہڈیوں کی گاڑھی محنت کی پس اندوختہ رقم انگلستان کی اس بیجا تقلید میں تشریف لئے جاتی ہے۔ اور یہی قومی بہروپیے اپنے ساتھ اور ملکی بھائیوں کا بھی ستیاناس کرتے جاتے ہیں۔ زبان سے سودیشی سودیشی پکار کر ترقی اور آزادی آزادی کا غل مچا کر قوم کی دولت مٹا رہے ہیں۔ آج ایک صاحب جاپان جاتے ہیں۔ قوم کی بہبودی اور خیر خواہی کے واسطے صنعت و حرفت سیکھ کر آئیں گے۔ اور قوم کو تعلیم کریں گے۔ انکی مدد کرو۔ کل کہا ہے دوسرے صاحب یورپ جاتے ہیں صنعت و حرفت سائنس دیگر تجربات حاصل کرنے ان کی گاڑی کا جوا کندھے پر رکھکر کھینچو۔ یہ تمام قوم کو ذلالت کے جیلخانہ سے نکالکر عرش اعلیٰ پر بٹھا دیں گے۔ خیر صاحب یہاں تک غنیمت ہے پھر واپس آنے کے بعد کیا ہوتا ہے۔ ایک طول طویل لکچر جس میں تمام ہندوستانیوں کی کوئی فضیحتی باقی نہیں رہتی اور ان غریبوں کو دل کھول کر جاہل بیوقوف احمق بنایا جاتا ہے۔ اور لکچرار کا عنوان اس وسیع معلومات سے ہوتا ہے "اے محبان قوم آج ہم اپنے اس فرض کو ادا کرتے ہیں جس کا ہم نے چلتے وقت تم سے وعدہ کیا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ ابھی تم نے ترقی کے اس زینے پر قدم نہیں رکھا جس کے کوٹھے پر دل یورپ براجے ہیں۔ تم لوگ خود غرض دغا باز ہو۔ تمکو قومی ہمدردی نہیں آتی۔ تم ملکی خیر خواہی نہیں جانتے۔ مہذب قوم

اور غیر مہذب قوم میں بھی فرق ہے۔ کہ تم لوگ اپنا پیٹ بھر کھانا مانگتے ہو اپنی ذات کو افلاس سے بچانا چاہتے ہو۔ اپنی آیندہ نسلوں کے واسطے کچھ نہیں کرتے ہو۔ تمکو چاہیئے کہ ہندوستان سے نکلکر اطراف یورپ میں پھیل جاؤ اور ان کے عادات اطوار اوضاع اختیار کرو آج دنیا میں جو قومیں سرسبز ہیں ان کا اصلی سبب یہ ہے کہ وہاں کی عورتیں آزاد اور تعلیم یافتہ ہیں تمنے اپنی مظلوم پردہ نشین عورتوں کو کمزور اور بزدل کر دیا ہے انکی عصمت کے بہانے سے انکو قید کر رکھا ہے عصمت جائے بھاڑ سے جان تو سلامت رہیگی۔ تم پر یہ عورتوں ہی کی مار پڑی ہے جو تم ورطۂ افلاس میں غوطے کھا رہے ہو۔ تم ہندوستانی بہت خراب آدمی ہو۔ میلا کچیلا کپڑا پہننے والے تمکو صفائی کا مطلق خیال نہیں ہندوستان کے لوگ تمام دنیا میں گندے مشہور ہیں۔ تم ہندوستانی قلیوں کی قوم نجس ناپاک میلے ہو۔ تمہارے پاس کھڑے ہونے کو جی نہیں چاہتا۔ تم دقیانوسی عربی فارسی رٹتے ہو تمکو شرم نہیں آتی کہ اس پرانی بڑھیا کی عاشقی کا دم بھرتے ہو۔ تم اپنی بھلائی چاہتے ہو تو یورپ کی تقلید کرو میم صاحب کو دیکھو اور صاحب کو دیکھو اور پھر اپنا اور اپنی بیوی کا موازنہ کرو۔ اسوقت ہماری فرد قرار داد جرم کو صحیح پاؤ گے،،

لو چلو چھٹی ہوگئی۔ گئے تھے روزے بخشوانے الٹی نماز گلے پڑی۔ اب کیا تھا۔ تمام ملک کے خیالات پلٹ گئے۔ صاحب بہادر بننے کی فکر میں اپنا اساس البیت ٹھکانے سے لگا کر کوٹ پتلون بنوالیا۔ اور گٹ پٹ اڑانے لگے۔ یورپین لوگوں کو بھی ہماری اس بیجا تقلید سے نفرت ہوگئی۔ اور وہ ہمکو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ اخراجات کی زیادتی نے جان عذاب میں ڈالدی۔ دغا بازی اور مکر سے روٹی کمانے کے عادی ہو گئے۔ ہندوستانیوں کا سر سہلایا اور بھیجا کھایا۔ غرضکہ ہماری ترقی کی شاہراہ میں ان ملکی بہروپیوں نے رکاوٹ پیدا کر دی۔ اسپر بھی یہ ہندوستان کے جانی دشمن اور ملکی بدخواہ چین سے بیٹھنے نہیں دیتے اور ملک میں بےچینی کے اسباب پیدا کرنے کو پیسے والے لغ چوں چوں کی طرح ترقی کرو ترقی کرو!! کی رٹ لگا کر ملک کو تباہ اور برباد کر رہے ہیں افسوس سے

ہر کسے ناصح برائے دیگراں
ناصح خود یافتم کم در جہاں

بس حضرت ہم باز آئے آپ کی جدید ترقی اور آزادی سے آپ پہلے تعصب کی عینک

اور آزادی کا کوٹ اور حماقت کا پتلون اتارا ہے جس کے پہنتے ہی چودہ طبق زمین اور آسمان کے کھل جاتے ہیں - اور آزادی کے سبز باغ دکھائی دیتے ہیں - ایسا نہ ہو کہ اس نئے بہروپ سے پاگل خانے کی سیر دیکھنے کے بعد افلاس اور مصیبت کی دیمک لباس ظاہری کو بھی چاٹ جائے پھر جامۂ اصلی کے سوا کچھ نہ رہے گا بقول شاعر ؎

تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس
یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں سیدھا اُلٹا

تعلیم کا چرخہ

نواب محسن الملک سکرٹری مدرسۃ العلوم علیگڈھ اس وقت تعلیم نسوان کا ذوق و شوق بڑھانے کی غرض سے بمبئی میں مقیم ہیں - نواب صاحب اپنی تقریر میں بڑا زور لگا رہے ہیں تاکہ آیندہ مدرسۃ المعلمات کا افتتاح کامیابی سے ہو۔

اڈیٹر انسٹیٹیوٹ گزٹ اسکی تائید کرتے ہوئے تعلیم نسواں کے فضائل ارشاد کرتے ہیں - "بیشک جب تک مستورات پڑھی لکھی نہ ہوں کسی ملک کے باشندے تعلیم یافتہ قوم نہیں بن سکتے" یہ سب سچ ہے - مگر یاد رہے "عورتوں کی تعلیم وہی بہت کافی ہے جیسی آجکل خاندان شرفا میں مروج ہے - عورتوں کا شد بد پڑھ لینا اپنے اپنے مذہب کی واقفیت اور امور خانہ داری کے واسطے کافی ہے - زیادہ آزادی اور مدرسوں کی آمد و رفت میں اپنی عمر کا حصہ ضائع کرنے سے امور خانہ داری میں عدم واقفیت کا اندیشہ ہے - اور یہی رائے عام مدبرین کی ہے - اور علیگڈھی گرو سر سید مرحوم کی تھی -

دوسرے اولاد اسی وقت تک تعلیم یافتہ پیدا ہو سکتی ہے کہ جس وقت تک بی گھر بسی یعنی لڑکوں کی اماں اپنا دماغ تعلیم کے خلفشار سے کمزور نہیں کرتی ہیں - اور اگر یہ مادہ عورتوں کا خرچ ہو گیا تو اولاد جاہل ضعیف الدماغ کودن پیدا ہوگی - اور آیندہ مردوں کا بھی تعلیمی دروازہ بند ہو جائیگا - لاکھ پڑھاؤ گے سوائے ٹیں ٹیں کے کچھ نہ آئیگا - کیونکہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے

اور تاریخ بھی بتا رہی ہے کہ جاہل اور غیر تعلیم یافتہ عورتوں کے بچے علمی دنیا میں نام آور ہوئے ہیں کسی پیغمبر کی والدہ پڑھی لکھی نہ تھیں۔

خود سرسید کی والدہ اسی قدر پڑھی ہوئی تھیں جس قدر اس وقت شریف خاندانوں میں مروج ہے۔ شمس العلماء مولوی حافظ ڈپٹی نذیر احمد صاحب مراۃ العروس میں لکھتے ہیں کہ ہمارے یہاں کی عورتیں شدبد لکھنا پڑھنا جانتی ہیں۔ قوم میں جس قدر ریفارمر آج موجود ہیں انمیں سے اکثر اس امر کا اعتراف کریں گے کہ والدہ کی طرف سے ان کو تعلیم یافتہ ہونیکا فخر حاصل نہیں۔ چنانچہ مسٹر دادا بھائی نوروجی کی والدہ بالکل جاہل تھیں۔ خوف ہوتا ہے کہ جس طرح مردوں نے اپنا علمی مادہ اپنی غلط کاریوں سے دماغ کو ضعیف اور برباد کر کے ایکطرفہ ڈگری حاصل کرلی ہے۔ اسی طرح عورتیں بھی تحصیلی مارکاٹ سے اپنا مادہ علمی نہ کھو بیٹھیں تو آیندہ سرسید اور محسن الملک اور شمس العلما جیسے لایق ہونہار بچے پیدا ہونا یک قلم موقوف ہوجائیں گے۔ اور قوم میں کوئی ریفارمر نہ رہے گا۔ اب تک جو ذہین بچے پیدا ہورہے ہیں یہ صرف ماؤں کی دماغی قوت کا اثر ہے۔

اس خطرناک اندیشے کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور عورتوں کی تعلیم کی طرف زیادہ سختی سے توجہ نہ کرنا چاہیئے۔ ورنہ آیندہ مخس اور غبی کند ذہن بچے اور کم شوق پود پیدا ہوگی۔

ادھر عورتیں تحصیل علم کے بعد سرکاری ملازمت کی تلاش میں پردہ کو سلام کر کے نو دو گیارہ ہوجائینگی۔ مردوں کو گھر کیا فانا ماں یا بچوں کی کھلائی بننا پڑیگا۔ عورتوں کے ہوتے ہوئے مردوں کو سرکاری ملازمت ملنا دشوار ہوگی۔

معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ پردہ عصمت سے اپنی آزادی میں کامیابی نہ ہوئی اور ہندوستان کے مہذب شہروں میں حیدرآباد کی ناگوار تقلید نہیں کی گئی۔ اسلامی دنیا نے ٹھکرا دیا اب اسکی تلافی کے واسطے اور اس کمی کے پورا کرنے کی غرض سے تعلیم نسوان کا بہانہ کر کے عورتوں کے دماغوں میں مادہ فاسد اور اوہام باطلہ بھرنے کی غرض سے نارمل اسکول کی تجویز پر زور دیا جاتا ہے۔

فلہذا اس کو بھی پردے کی مخالفت کا سبب سمجھنا چاہیئے۔

کیونکہ جب عورتیں تعلیم سے [illegible] اور پردہ [illegible] سخت الفاظ زبان پر ٹوٹنے لگیں گے اور کچھ [illegible] آ گیا ہے گا۔ پرانی پوشاک سے دل ناخوش بیزار ہوجائے گا

زیور سے قطعی انکار ہوجائے گا۔ سادا سایہ کی طرح لپٹ جائے گا۔ میم صاحب بننے کا شوق سوار ہوگا۔ پردہ آپ سے آپ تشریف لے جائے گا۔

ابھی ہماری قوم کے بچوں پر کفر و الحاد کے فتوے دوار ہے ہو۔ آیندہ عورتوں کی بھی یہی گت ہونا ہے۔ ع مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں۔

بگڑ جائیگی ساری آبرو تعلیم نسواں سے
نہ بر آئیگی دل کی آرزو تعلیم نسواں سے

بنے ہیں مرد صاحب عورتیں بھی میم بنجائیں
یہی کیا دل میں ہے اب آرزو تعلیم نسواں سے

حمیت اور غیرت نام کو جو ہم میں باقی ہے
کرو گے اسکی بھی اب شست و شو تعلیم نسواں سے

پھریں گی بگھیوں میں دشمن تہذیب بے پردا
بری ہو جائیگی آخر کو خو تعلیم نسواں سے

ابھی کچھ عورتوں میں شرم اور ایمان باقی ہے
چھلک جائے گا آخر یہ سبو تعلیم نسواں سے

پڑھاؤ عورتوں کو گھر میں اسکولوں میں مت بھیجو
حقارت ہوگی ورنہ چار سو تعلیم نسواں سے

ابھی تو کچھ ادب کرتی ہیں اپنا عورتیں گھر میں
بگڑ جائے گی بالکل گفتگو تعلیم نسواں سے

کبھی تو آپ تھے اب تم بنے ہیں آپ سے گھٹکر
نہ ہوجائے کہیں اب تم سے تو تعلیم نسواں سے

کبھی یہ نارمل اسکول رنگ اپنا نہ دکھلائے
نمازیں ہو نہ جائیں بے وضو تعلیم نسواں سے

اگر اولاد کی الفت ہے تو گھر میں پڑھا لینا
بگڑ جائینگی لے سسر سے بہو تعلیم نسواں سے

پڑھینگی یہ تو ہنڈیا تم پکانا بیٹھکر گھر میں
یہ ہوگی ایک سنت در گلو تعلیم نسواں سے

مہذب بیبیاں ہو جائیں گی پڑھ کر یہ آخر کو
کیا آجائے گا بس نو اور لو تعلیم نسواں سے

ادائیں بانکپن کی نارمل اسکول [illegible]
یہ خود شرد ہو نہ جائیں ہر شو تعلیم نسواں سے

[illegible] کبھی [illegible] علم کی ہوگی
بہے گا ندیوں آخر لہو تعلیم نسواں سے

علاج اسے [illegible]
نہ ہوگا چاک دامن کا رفو تعلیم نسواں سے

پڑھانا چھوڑ دو سنت [illegible] سکھاؤ تم
وگرنہ ٹوٹ جائے گا وضو تعلیم نسواں سے

ظرافت الدولہ بہادر کے نوٹ

یہ عہد کو گا جب جو کھائی ہمنے　　اور اوڑھنے کو دی جو رزائی ہمنے
کہنے لگی پھر دل میں غنیمت ہے یہی　　منہ مانگی مراد اپنی پائی ہمنے

یہ روز سر شام کہاں جاتی ہے　　یاروں کو فقط کوٹھے پہ بلواتی ہے
ننھی ہے سمجھتی نہیں نادان ہے ایسی　　گر کر پھوڑ کے مٹکی میں ابھی کھاتی ہے

کچھ طنز سے میں نے جو کہا یہ ہنسکر　　جاتی ہے کہاں رات کو خنبلا رانی
سمجھی کہ اشارے سے بلاتے ہیں مجھے　　منہ میں وہیں قحبہ کے بھر آیا پانی

شیطان سے لکھوا کے ہمیں خط بھیجا　　یہ کون طریقہ تھا بتا او بد راہ
اب ابلیسوں سے مطلب کے لئے ملتی ہے　　لاحول ولا قوۃ الا باللہ

نالۂ مبہم

یہ نہ معلوم تھا مٹ جائے گی شہرت میری　　بن کے اس طرح بگڑ جائے گی قسمت میری
حاجی بغلول نے کیوں ساتھ دیا ہے میرا　　اب کھلوائے گا یہ شخص حقیقت میری
ناچ کر بھاؤ بتانے لگی کیوں میرے لئے　　ہوئی ہموار سکے ہاتھوں سے بری گت میری
شوق سے مثنوی پامال کریں سب احباب　　مجھکو منظور ہے اس میں بھی ہے شہرت میری
منے حجام نے سر مونڈ لیا خود میرا　　مٹ گئی آہ صد افسوس مشقت میری
رند کے سامنے دعوائے سخن میں کرتا　　اتنی ہمت نہ مری تھی نہ تھی جرأت میری
غاد بھی اب نہیں آتے ہیں مدد کو میری　　داغ دیتی ہے انھیں گرد کدورت میری

رکھ کر دبا پاؤ گے چھپاؤ گے اسے جتنا تم مثنوی سے تو ہے پوشیدہ لیاقت میری

مٹ گئی آہ بہار رخ گلزار ادب
بوئے گل سی ہوئی برباد ہے نکہت میری

ملولہ

کسی کے نام سے جلتی ہوں میں مجھکو عداوت ہے
موا جو ہے نگوڑا اس سبب سے سخت نفرت ہے

کبھی مردار کہتا ہے کبھی بجلول کہتا ہے
خدا کی شان ہے لو آج یہ میری حقیقت ہے

نہیں ہیں جان صاحب کس سے میں تحقیق کرواؤں
حمل کہتے تھے وہ معلوم مجکو یہ حقیقت ہے

حکیموں کو کہا حجام یہ کیا دھینگا مشتی ہے
نگوڑا چودھری ہے آج اس ہادی کی عزت ہے

بنایا بڈھے بکرے مرزا استاد کو یہ کیا معنے
وہ بیٹا داغ کا ہے غاد اسکی آج شہرت ہے

مٹے یہ مثنوی جس کے عوض مجکو ستاتے ہیں
اجڑیں وہ کلموہے جنکی بدولت میری یہ گت ہے

غضب کرتے ہو فالج کب گرا تھا مجھ پہ سچ کہنا
ارے میں جان کر بنتی ہوں یہ میری نزاکت ہے

بڑھاپا کب مجھے آیا ہے کیوں تہمت لگاتے ہو
ابھی بچہ ہوں میں اسواسطے لونڈوں کی الفت ہے

میں رستم جنگ سے ہرگز نہ بخشوں گی نہ بخشوں گی
ارے میں جانتی ہوں یہ اسی کی سب شرارت ہے

تم کس لئے ہو؟

دانت ہاتھی کو خدا دیتا ہے کھانے کے لئے
اور بھی سونڈ ہوتی ہے دکھانے کے لئے

مثنوی میں بھی اسی صنعت سے صدہا عیب ہیں
کچھ دکھانے کے لئے ہیں کچھ بتانے کے لئے

اڑ گئی ساری ہوائے باغ گلزار نسیم
اس چمن میں اب خزاں کہتی ہے آنے کے لئے

ہم صفیرو تم خس و خاشاک لاؤ ڈھونڈھ کر
ہم بھی اپنا آشیاں اب ہیں بنانے کے لئے

رو رہے ہیں مثنوی کو اب طرفدار قدیم
اک بہانہ ہو گیا آنسو بہانے کے لئے

مٹنے حجام اپنی کسوت لے کے جاتا کیوں نہیں
منتظر سرکار ہوں گے خط بنانے کے لئے

اب تو نائی اور درزی جمع ہیں اخبار میں
کوئی مہتر ڈھونڈھ لو کھڈی کمانے کے لئے

بات کرنے میں بھی جس کی لڑکھڑاتی ہے زبان
ہم سے اب آیا ہے وہ باتیں بنانے کے لئے

اس بڑھاپے میں یہ نخرے کیسے گستاخی معاف
کوئی نوکر ڈھونڈھ لو نخرے اٹھانے کے لئے

آہ فالج تو کہیں جانے نہیں دیتا اسے
آئے ہیں طاعون خاں بھی اب بلانے کے لئے

پنچ سبھا

نمبر ۱

(آمد مٹنے حجام کی بیچ سبھا کے)

سبھا میں دوستو نائی کی آمد آمد ہے
حرامزادے کے بھائی کی آمد آمد ہے

خوشی سے چہچہے لازم خزاں کو ہونگے اب
کہ اس چمن میں صفائی کی آمد آمد ہے

ہمیشہ رکھتا ہے پاکٹ میں استرے قینچی
کہ آجکل تو کمائی کی آمد آمد ہے

یہ خط بناتے میں قسمت کو اپنی روتا ہے
حمل سے مائی ہے بھائی کی آمد آمد ہے

اگرچہ پاس یہ رکھتا نہیں ہے کسوت تک
پہ رنڈیوں سے تباہی کی آمد آمد ہے

وہ مکھیوں کی طرح دوڑ کر پہنچتا ہے
سنا کہیں جو مٹھائی کی آمد آمد ہے

جو خاکروب ہے آیا تو واں بھی دھوبن ہے
کمائی اور دھلائی کی آمد آمد ہے

سنا ہے ہونے کو حجام کی ہے اب شادی
خدا کے فضل سے دائی کی آمد آمد ہے

(چوبولہ نائی کا اپنے حسب حال)

پیچھا ہوں ہیں قوم کا مٹنے میرا نام
پریوں کی بن دید کے نہیں مجھے آرام

سن رے سنتا دیو رے دلکو نہیں قرار
پنچ سبھا جلدی سے ہو جائے تیار

گوبر سے لیپو چبوترہ لمبا اک میدان
مجکو اس پر بیٹھنا بدالن کے درمیان

میرے سیتاپور میں راجہ اور مہاراج
دھوبی نائی دونوں میری قوم کے سرتاج

لاؤ پریوں کو میری جلدی جا کر یاں
باری باری آن کر دیں بیٹھیں میاں

(آمد برباد پری کی بیچ سبھا کے)

بزم مہراج میں برباد پری آتی ہے
اور پھر آپ ہی گھر اپنے چلی جاتی ہے

تقوے فالج سے محبت ہے ہمیشہ سے اسے
منہ بھی ٹیڑھا ہے زبان تھوڑی سی لنگڑاتی ہے

منہ پہ پھٹکار برستی ہے پھٹا پھٹ اس کے
رونا آتا ہے یہ جب راگ نیا لاتی ہے!

جب کوئی اس کو ستاتا ہے تو رو دیتی ہے
غل مچاتی ہوئی سر پیٹ کے چلاتی ہے!

نائی اور دھوبی سے رہتی ہے محبت اسکو
ایرے غیروں میں سدا عمر کٹی جاتی ہے

سٹیاں شہدے سے جو تعلیم ہے پائی اس نے
نخرے ہر ایک سے کرتی ہے یہ اتراتی ہے

شعر خوانی زبانی برباد پری کے

میں یہ رہا کرتی ہوں یہ کام ہے میرا
چھٹتی ہوں پہ برباد پری نام ہے میرا

میں ساتھ میاں پنج کی رکھتی ہوں دو ورقی
ردی جسے کہتے ہیں وہ گودام ہے میرا

کوڑی پہ سدا جان دیا کرتی ہوں اپنی
گو بریں جو پیسہ ہو وہ انعام ہے میرا

کہتے ہیں جسے لوگ جہاں میں شب تاریک
پرنور رو رخسار یہ فام ہے میرا

خرسند سبھی مجھے دیکھ کے ہوتی ہے خدائی
مادہ ہوں میں نرہو روالزام ہے میرا

کرتی ہوں دل و جاں سے میں لونڈوں کی پرستش
کہتے ہیں جسے کفر وہ اسلام ہے میرا

قسمت نے مجھے رتبہ اعلے سے گرایا
ہر مہ پلس شہر نیا بام ہے میرا

کچھ اہل ظرافت سے میرا بس نہیں چلتا
میں نیک تھی اب شہر میں بدنام ہے میرا

چھند زبانی برباد پری کے سبھا میں

نائی منے دیس میں رہے سدا برباد
شہر میں ایسا کوئی نہیں ہے وہ سرفضا

کا کوری سے بلایا مجکو سبھا میں آج
دولت مال خزانے سے سدا رہو محتاج

ہیرا پتا چاہیے سدا مجھ کو ٹھیر
پانسہ اپنا پلٹ گیا ریوڑی کا سے پھیر

ٹھمری زبانی برباد پری

اب جیو کہاں ہے آٹھ پہر
ساکھی کی نہیں بالکل ہے خبر

رہا تکتی میں جو تڑوں آٹھ پہر
ہو جا سے دیا گی اب تو نجر

جوتوں کا گلے میں ہار رہے
ذلت سے تخت پہ بیٹھ ندا

اے رستم جنگ اپنی ہے دعا
اک ہاتھ لگا تو یار رہے دگر

بسنت زبانی برباد پری کے

رُت آئی بسنت عجب بہار — ہوجائے غریبوں پر پھٹکار
روئیں پیٹیں بھاری ہم گم — جیویں نائی دھوبی جم جم
لونڈے جاکر گھر میں چھپیں — پیچیں نائی اور کمہار

رُت آئی بسنت عجب بہار

غزل زبانی برباد پری کے

دوستوں سے بیوفائی کا گلہ کچھ بھی نہیں — ہم خطا پر تھے پر اُن کی تھی خطا کچھ بھی نہیں
لونڈے سارے دُم دبا کر چھپ گئے کونے میں اب — اس زمانے میں یہ سچ ہے آشنا کچھ بھی نہیں
مورد الزام ہمکو لوگ کرتے ہیں عبث — بے دہائی مچتی ہے ہم نے کہا کچھ بھی نہیں
ٹکے کی سی بات پر کیوں اسقدر اتراتے ہیں — بدنصیبوں کو مگر آتی حیا کچھ بھی نہیں
ایک تو ہیں سیکڑوں اغلاط اُس پر یہ غرور — رند تو کچھ بھی نہیں تھے اور صبا کچھ بھی نہیں
لات ماری اور گھونسوں سے بھی مارا بے طرح — ہاتھ کی تقصیر پاؤں کی خطا کچھ بھی نہیں
جیسے ان لونڈوں کے ہاتھوں جیسی ہیں بدنامیاں — اب بجز ہم نا اُمیدی کے سوا کچھ بھی نہیں

ہولی زبانی برباد پری کے

ساری عزت بوری - شیام موسے کھیلو نہ ہوری
کاکوری سے میں بھاگ کے آئی ہائے باپ کی چوری
شیام موسے کھیلو نہ ہوری
اُلٹی سیاہی منہ پہ لگی ہے - سارے جگ میں اپنی ہنسی ہے
ماتا چمارن اپنی ملی ہے ذات کا باوا کوری
شیام موسے کھیلو نہ ہوری
تم سے بگاڑی ہم نے موہن چھوٹ گیا اب اپنا جوبن
باندھ لیا ہے ہمکو تم نے ڈھیلی کر دین ڈوری
شیام موسے کھیلو نہ ہوری

غزل زبانی برباد پری کے

جیسے بھاگی ہوں بیت اب ہا تم مشہور آپ تھے — جب سے نہ اشتہار ہیں نہ دکھلاؤ مجھے

میں حمل کہتی ہوں میری بہنیں کہتی ہیں حمل
ناچنی گانی بہت اچھی تھی میں نے کب کہا
میں تو سردی میں ٹھٹھر کر رہ گئی ہوں آجکل
بے زباں ہوں گاؤں میں کس طرح سے کوئی غزل

حمل گر باندھا کسی نے ہو تو دکھلاؤ مجھے
اپنی تاویلیں بنا کر اب نہ شرماؤ مجھے
ظالمو بہر خدا اتنا نہ گرماؤ مجھے
ناچتی ہوں اور آتے ہیں فقط بھاؤ مجھے

غزل دوسری زبانی برباد پری کے

سر پھوڑ کر میں جان نہ دیدوں تو کیا کروں
جی چاہتا ہے اپنے پیا پر میں ہوں نثار
ہر چند چاہتی ہوں نہ بولوں ظریف سے
اب لونڈوں کے سوا نہیں کوئین کی ہوس
اب مثنوی کو دیکھ کے دل ہے یہ چاہتا
مردوں کو بھی بلا کے میں لکھواؤں کتنے خط
آتش کو بھی بلا کے کہوں ہاتھ جوڑ کر
مر جاؤں گی تو آپ کہیں گے ضرور یہ

اب کب تک اعتراض کے صدمے سہا کروں
دن رات انکے نام کا مالا جپا کروں
قابو میں اپنے دل کو نہ پاؤں تو کیا کروں
اللہ سے کروں تو یہی التجا کروں
لونڈے بٹھا کے سامنے اسکو پڑھا کروں
جنت میں جا کے رند سے اسکا گلا کروں
کب تک کسی کے ہاتھ سے جھجھی جلا کروں
کس کو سناؤں گالیاں کسپر جبا کروں

یہ عرض ہاتھ جوڑ کے کرتی ہوں آپ سے
پھر خوب ٹھوکنا اگر اب کی خطا کروں

اعتراف حماقت

اگر اس پری سے محبت نہ ہوتی
سمجھتے نہ تھے ہم بگڑ جائیں گے وہ
گدھی اس کو اور مجھکو کہتے ہیں گدھا
لکھے بن کے شیطان خط ہم نے انکو
وہ دھولیں لگاتے تو عزت تھی باقی
غضب ہو گیا ناچنی گانی کہنا

تو ظاہر ہماری حماقت نہ ہوتی
جو یہ جانتے اتنی حجت نہ ہوتی
یہ اینٹ الہزادہ کی درگت نہ ہوتی
جو وہ کچھ بھی کہتے تو ذلت نہ ہوتی
شکایت نہ ہوتی شکایت نہ ہوتی
وہ کیوں نظم کرتے جو عادت نہ ہوتی

یوہیں عیب رہ جاتے اس مثنوی میں　　اگر شاعروں کی عنایت نہ ہوتی
دکھا سانپ سیا نظم کرنا تھا اس میں　　بھلا اس میں غلط ہر لیاقت نہ ہوتی
جو اصلاح آتش کی سب مان لیتے　　تو اس وقت ہمکو ندامت نہ ہوتی

چٹپٹی غزل

مولانا ظریف ۔ واللہ ذرا غور سے اس غزل کو ملاحظہ فرمائیے ۔ مابدولت نے ایسی پامال طرح میں حریف کی پامالی کا وہ فوٹو کھینچا ہے کہ سنتے ہی جلکر کوئلہ نہ ہو جائے تو ہمارا ذمہ

جب جہالت نے بہت گردن دبائی آپ کی　　ہو گئی پھر آپ کے لایق دوائی آپ کی
رطب و یابس مثنوی کی خوب وقعت کھل گئی　　جاہلوں کے کچھ نہ کام آئی بھلائی آپ کی
پڑ گئے سر پہ تو بولے ہنس کے یہ کس پر پڑے　　دیکھ لی ہم نے یہ دیدے کی صفائی آپ کی
ہیر کو ہرا کے آخر کیوں لعنت کہنے لگے　　اس لئے گردن ظریفوں نے دبائی آپ کی
اب حمل گر جائے یا رہ جائے اس کا غم نہیں　　مشکل آتی ہے نظر لیکن رہائی آپ کی
کہتے ہیں حجام اپنی کسوت بھول آیا ہے کہیں　　آبرو کیونکر بچائے گا یہ نائی آپ کی
اب کوئی مردہ کبھی چلاتا نہیں جنبارے سے　　مر گئے تک کیا نہیں ہوتی رسائی آپ کی
بے نقط ایسی سناتا ہوں کہ کٹ جاتی ہے وہ　　جھینپ کے رہ جاتی ہے گھر میں لگائی آپ کی

مثنوی کیا مٹ گئی سردی سے ہتنانے لگے
چھن گئی جاڑے میں یہ گویا رضائی آپ کی

پنچ سبھا

نمبر ۲

درخواست کتیا پری کی زبانی راجہ ہاتی کے

خوب مُرلایا بھا ڈبتا کے | دور ہو بڑھیا دُم کو دبا کے
زخم دیا اک دل پر کاری | اب ہے کتیا پری کی باری

آمد کتیا پری کی سبھا میں

سبھا میں آمد کتیا پری ہے | دل و جاں سے جو ٹیپو پر مری ہے
ستاتے ہیں اسے ناحق کو کتے | یہ دیوانی جوانی میں بھری ہے
عجب لے دار اس کا بھونکنا ہے | گلے میں اس کے گویا گٹکری ہے
نہ دیکھا ہرگا ناچ ایسا کسی نے | غضب کی ناچنی گانی پری ہے
زمانہ اس کی شوخی پر فدا ہے | شرارت کوٹ کر اس میں بھری ہے

شعر حسب حال کتیا پری کے

مرتی ہوں میں تو اپنی فقط آن بان پر | جوں رینگتی نہیں ہے کبھی میرے کان پر
گاتی نہیں ہوں بھونکتی ہوں اپنے حسب حال | کتیا پری ہے نام مرا ہر زبان پر
اللہ کے کرم سے زمانے میں ہے عروج | ٹکڑا وہیں ملا ہیں گئی جس دکان پر
کھانے کو چھیچھڑے مجھے ملتے ہیں رات دن | رہتا ہے اب دماغ مرا آسمان پر
کھانا کسی کا ہو مری نیت خراب ہے | گرتی ہوں مکھیوں کی طرح جا کے خوان پر
تابع ہوں اس کے میں جو زبردست مل گیا | باڑھے پہ کچھ ہوں بند نہ میں ہوں جوان پر
تدبیریں سوچتی ہوں میں کھانے کیو بھلے | روٹی اگر رکھی ہو کسی کے مچان پر

چھند کتیا پری کا سبھا میں

میں چیری شیطان کی تم دیکھیا ناؤ | گانا مجھ معشوق کا سنو چاچا تاؤ
سنو غور سے آج پیتا ہمارا گانا | ماں ہماری اندھی اور باپ تمہارا کانا

ہوا ہے میرا جب سے اس محفل میں آنا | جب سے سارا دیس ہمارے کھا تر تھنے چھانا

چھند دوسرا زبانی کتیا پری کے

آئی ہوں میں دور سے چھیڑ کی کر کے یاد | مجھکو بھی تڑوا لیجے کے کردا پنا دل شاد
باسی ٹکڑے دو مجھے دل کھول کے گاؤں | گانا ایسا گاؤں تمکو بھی نچواؤں
تم کو بھی نچوا کر داد اپنی پاؤں | داد اپنی پا کر گھر اپنے جاؤں

ٹھمری زبانی کتیا پری کے

ناڈ جی کرو مورے بتیاں | دم پھرکت ہے دن رتیاں
جی کانپت ٹھمری صورت سے | دھڑکت ہیں موری چھتیاں
دم چاٹت ہو بھونکن لاگوں | ماروں دونوں لتیاں

ناڈ جی کرو مورے بتیاں

ہولی کتیا پری کی سبھا میں

ناڈ کو سمجھا دے کوئی - انگیا رنگ میں بھجوئی
بحث کی نا حق اس نے سب سے - عزت مفت میں کھوئی

ناڈ کو سمجھا دے کوئی

غزل زبانی کتیا پری کے

بجا لیئے نے میٹ دی عزت ہماری ان دنوں | ہو رہا ہے گریۂ بے اختیاری ان دنوں
ہائے یہ میرا چمن اور اس طرح برباد ہو | سٹ رہی ہے آہ یہ بادِ بہاری ان دنوں
نظم سے ہمکو نہ مطلق تھا علاقہ کیا کہیں | ہو نہیں سکتی ہے اب مطلب برآری ان دنوں
اعتراضوں سے ہوا ہے ناک میں دم اسقدر | شکل پہچانی نہیں جاتی ہماری ان دنوں
ہم تو سمجھے تھے کہ چپ ہو جائینگے آخر کو سب | کوشش کاری ہو رہی ہے پھر کراری ان دنوں
منہ دکھانے کے نہیں قابل رہے دنیا میں ہم | منہ چڑھاتی ہے ہمارا ہر کہاری ان دنوں
گر ذرا اعزاز کا اظہار ہم کرنے لگیں | ہنس ہو جائے گا پھر ہم سب پہ جاری ان دنوں

غزل دوسری زبانی کتیا پری کے

دل شد گلدستۂ اردو سے ہوا شاد کبھی | ہم نہ مانینگے اس کی بات میں شنا د کبھی

زندہ جب تک ہوں اک جان پہ لاکھوں صدمے
بعد مرنے کے ہوئی کم نہ یہ بیداد کبھی

سُنتے حجام کا احساں نہیں ہے ہم پر
کام آتا نہ ہمارے کوئی فصاد کبھی

اب تو اُردو میں بھی منہ کھول نہیں سکتے ہیں
ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی

اب تو خط بھی نہیں آتا ہے میاں آتش کا
بھول کر بھی نہیں کرتے ہیں صبا یاد کبھی

نام رکھنے لگے سب اہلِ زباں ہنس ہنس کر
آہ تقدیر سے کی ہم نے جو ایجاد کبھی

میری تقدیر کا فوٹو تو وہی کھینچیں گے
بک گئے راہ میں بھولے سے جو بہزاد کبھی

کر قدردان کی مرمت ہوئی اللہ اللہ
ساتھ دیتے نہیں اب پنچ میں بھی فاد کبھی

غزل حسب حال

انی ہیں یا اعتراض برچھی کہ سب کے دل میں کھٹک رہے ہیں
خزانِ خر گاہ رو رہے ہیں سگانِ احمق بھڑک رہے ہیں

بگڑ کے حجام منہ پھلائے ہے ہونٹ اس کے لٹک رہے ہیں
خفا ہیں مستا پہ صد نئی ہے۔ تھرک رہے ہیں سٹک رہے ہیں

خزاں یہ آئی ہے مثنوی پہ بہار ہے اب نہ ہے وہ گلشن
بجائے بلبل غریب اُلو اچک رہے ہیں پھدک رہے ہیں

نہ عقل ان کو کہ بات سمجھیں نہ ذہن ایسا کہ تہ کو پہونچیں
اُلجھتے نہ جب اعتراض ان سے تو منہ ہر اک کا یہ تک رہے ہیں

کبھی یہ کہتے ہیں زہر ہی جنگ ہوری ہے پچھاڑے ہم سے
کبھی تعصب میں اپنے آ کر جو منہ میں آتا ہے بک رہے ہیں

جوابِ معقول نقلی سنا دو تو اس میں حیلے حوالے لاکھوں
جہالتوں سے بھرے ہوئے ہیں حماقتوں سے چھلک رہے ہیں

مثال دیں گے تو آتشی ویسے گئے سمجھ سے خالی سے ذہن عالی
نہ فہم سے مس نہ عقل سے حس جہالتوں سے سنک رہے ہیں

غضب یہ ہے طاہرہ کو دیکھو کہ بے تکا راگ گا رہی ہے
تو منے نائی مٹک رہا ہے تمام لونڈے مٹک رہے ہیں

زبان قابو میں اب نہیں ہے تو یہ اشارے دلہن رو رہی ہے
سمجھ میں آتا نہیں کسی کے تو لوگ حسرت سے تک رہے ہیں

یہ منقلب غاد کیوں پڑے ہیں سبب نہیں اس کا ہمکو کھلتا
کسی نے پینے کو دی نہ افیوں تو مر رہے ہیں سسک رہے ہیں

نہ کام شیطان تیرے آیا نہ سٹیاں شہد سے نئے منہ لگایا
کیے تھے جو اعتراض ہم نے وہ برق بنکر چمک رہے ہیں

اٹھا نہیں اعتراض کوئی تو غصہ بھی آرہا ہے ان کو
یہ ظرف چھوٹے جو بھر گئے ہیں تو سب طرف سے چھلک رہے ہیں

یہ ضد لگی ہے یہ ہٹ پڑی ہے غلط بھی دیکھو تو کچھ نہ بولو
غریب سمجھے یہ ناسمجھ ہیں شریر نادان بہک رہے ہیں

کمال تحقیق میں ہمارے کبھی نہ آئیگا فرق اس سے
عروج دیکھا ہے احمقوں نے تو بن کے کر لا دھک رہے ہیں

نقرے غادپری کی درخواست نمائی میں نئی حجام

دکھا چکی تو کرتب کتنیا کونے میں اب بیٹھ تو منیا
کیا سمجھا ہیں تونے تمام اب ہے غادپری کا کام

لاؤ غادپری کو

سجھا ہیں غادپری کی سواری آتی ہے
جو گول ٹوپی ہے سر پر تو ہاتھ میں رومال
غضب بڑھاپے میں پچکاری برستی ہے
خضاب منہ سے چھٹا ہے خدا خدا کر کے
کبھی جو بیٹھ کے کسی کی طرف لپکتی ہے
رقیب سے جو اسے خواب میں تلمذ ہے

تمام پنچ کی اس وقت خواری آتی ہے
بچھلا کے تو نہ یہ شامت کی ماری آتی ہے
گمان یہ ہوتا ہے گویا چمپاری آتی ہے
گران یہ ہوتا ہے گویا کہاری آتی ہے
سمجھتے سب ہیں کہ کتیا شکاری آتی ہے
اسی کے واسطے لڑنے گنوار ہی آتی ہے

شعر خوانی غادپری کی

شیطان کا کام حسن پہ میرے تمام ہے — گو سیتلا کے داغ ہیں پر غاد نام ہے
محفل میں سب کے سامنے رہتی ہوں منقلب — دن رات مجکو بس انھیں باتوں سے کام ہے
سر پر لگائے دھپ جو اُسکی کنیز ہوں — خاموش جو رہے وہ مرا خود غلام ہے
اُلٹی خدا نے دی ہے مجھے عقل سر بسر — ہوتی اگر سحر تو میں کہتی ہوں شام ہے
پوشاک تو سفید ہے چہرہ سیاہ ہے — گویا اودھ کی صبح میں یہ کالی شام ہے
یہ جھوٹ پر دیا ہے خدا نے مجھے فروغ — پایا اسی کی وجہ سے مال حرام ہے
اُلٹی ہے مت کہ ہو گئی احمق کی ہیں شریک — بڑھیا ہوں گو کہ میں پہ مری عقل خام ہے

چھند زبانی غادپری کے

پڑی ہوئی تھی اوندھی میں اوپر تھے دلال — یہاں بلا کر آپ نے مچا دیا بھونچال
مچا دیا بھونچال کہ یہاں مجھے بلوایا — بھوکی گھر سے آئی تھی کچھ نہ کھلوایا
روپ سروپ مہاراج کا میرے دل کو بھایا — لیکن تو احمق تھا جو اس پر اترایا

ٹھمری زبانی غادپری کے

مجھ پر جوتے خوب پڑے — اودھجام مجھ پر جوتے
جس کو دیکھو اُلٹی ستا ہے — لڑن والے پر گاج پڑے

اودھجام

چندیا موری ہو گئی ڈھیلی — بہت پڑے بھٹی بہت پڑے

اودھجام

جیسی مرمت موری بھئی ہے — کوئی گدھی کا کھبر کرے

اودھجام

ساون زبانی غادپری کے

بن پیا گھٹا نہیں بھاوے — قسمت پر اب رونا آوے

سر پھیر نہ اٹھائیں ہم سب بہنیں
کوئی ایسا جو تا برساوے
ہانتھ جوڑت ہوں منتی کرت ہوں
اب نہ مہکا بات سناوے
میں تو دکھیا جنم کی ماندی
کوئی بیند دیکھن نہ آوے

غزل زبانی غادپری کے

پھنسے ناحق کو ہم اے پنچ تیرے دور ساغر میں
کبھی تھی اس قدر ذلت ہمارے بھی مقدر میں
کسی استاد کی بھی غلطیوں کے ہم نہیں قائل
کہ ہٹ دھرمی کا سودا بھر گیا ہے آجکل سر میں
شگوں کہنا نرالا اور رکھا سانپ اپنا منتر ہے
کہ ایسا بولتی ہیں عورتیں بھی آجکل گھر میں
حمل کہتی ہوں جب میں ان کو غصہ آہی جاتا ہے
حمل میر اگرا دیتے ہیں آخر ایک ٹھوکر میں
طبیعت چلبلی ہے اور لونڈوں سے محبت ہے
خدا کے سامنے بھی میں یہی کہدونگی محشر میں
کوئی حجام مل جائے تو اپنا سر منڈا ڈالوں
یہی سودا بہت دن سے سمایا ہے مرے سر میں

ہولی زبانی غادپری کی

لاج رکھلے گدھیّا ہماری - میں چیری تمہاری
پھروں ہوں ماری ماری

پہلے میں کلکتے گئی تھی - ساری دولت ماری
مال پرایا گھر میں رکھ لو - ایسی کر ہشیاری
کہیں نہ ہوسے عاری
جس کا پاؤں مال گھما دو - کیا کوئی تم کا ماری
آنکھ بچے گٹھری ٹہلے - پھر نبوا ناری
کوڑی کوڑی منہ سے اٹھاؤں ایسی ہوں کھلاری
اب جو بولے منہ سے کوئی جب ہی دیناگاری
میں تو ہوں گھسیاری

غزل زبانی غادپری کے

مرحوم شاعروں سے بھی فریاد کیجئے
آتش کو ذوق و رند کو بھی یاد کیجئے
مارا ہے کیا ظریف نے یارو! دہائی ہے
اب کس سے جا کے شکوہ بیداد کیجئے

توبہ ہے اب سے منہ نہ چڑھوں گی ظریف کے
میں ہوں کنیز آپ کی آزاد کیجئے

بوڑھی ہوں نوندلے کے میں جاؤں کہاں کہاں
اک ہاتھ مارکر اسے برباد کیجئے

جی چاہتا ہے بولیاں پنڈت کی سیکھ لوں
مل جائے اک گنوار تو استاد کیجئے

گانی تھی اور ناچنی تھی وہ بڑی کمال
اس شاعری پہ آنکھ سے بس صاد کیجئے

الفاظ جو غلط ہوں انھیں لائیے ضرور
اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ ایجاد کیجئے

جب اعتراض ہوں تو بگڑ جائیے وہیں
اور منہ بھلا کے لوگوں سے فریاد کیجئے

اُٹھیں نہ اعتراض دئیے جائیں گالیاں
آخر کو ضد سے آپ ہی ایراد کیجئے

غزل ربانی غاد پری کے

کسی کے اعتراضوں نے عجب اندھیر ڈھایا ہے
زمیں کو زلزلہ ہے آسمان چکر میں آیا ہے

اُٹھائے ہیں وہ صدمے سہہ نہیں سکتی کبھی لیلے
کسی کے ایک فقرے نے کیا سب کا صفایا ہے

گھٹا غلطی کی ہے مینہ اعتراضوں کا برستا ہے
کسی کی مثنوی کے باغ پر کیا ابر چھایا ہے

خضاب ایسا خزینِ عارض ناقص پہ ہوتا ہے
گماں ہوتا ہے بطخا منہ پہ گوبر مل کے آیا ہے

مٹانے سے مٹیں کیا اعتراضات بجا ہم سے
دلائل ہیں قوی اس میں اڑنگا بھی لگایا ہے

حساب شاعری جب حشر میں ہوگا تو کہہ دونگی
کہ میں نے مثنوی کے عیب کو بالکل چھپایا ہے

چھپاؤں منہ ندامت سے سرِ محفل نہ کیوں اپنا
کہ میں نے چالیوں کے نام پہ دھبا لگایا ہے

ہوئی تھی تیز ایسے ویسوں کو ہیں گالیاں دیکر
لنازی کا ٹھکانا آخریاں سے میں نے پایا ہے

وہ کہتا مثنوی کیسا۔ تم ذرا دیوان تو دیکھو
خوشامد سے درا در سے کسی سے مانگ لایا ہے

نقرے منہ بند پری کی درخواستیں

گاتی رات مرے میں سب
بیٹھ رہی کٹنی نیچے اب
بہت کی تو نے میری خوشامد
منہ بند پری کی اب ہے آمد
لاؤ منہ بند پری کو

آتی عجب انداز سے منہ بند پری ہے
غیں غیں ہے زباں تک نہیں قابو میں ذری ہے

موتی سے زبان بات نہیں منہ سے نکلتی
گونگی کے اشاروں میں فقط جلوہ گری ہے

منہ شرم سے ہر ایک کا تکتی ہے ہمیشہ !!
کچھ بول نہیں سکتی یہ بے بال و پری ہے

امید خزاں اب اسے دیدیتی ہے جھونکے
کیا گلشن عالم میں چراغ سحری ہے

زیور نہیں در کار مخنث کی ہے صورت
یہ بھینس ہے چھلے کی جو کیچڑ میں بھری ہے

شعرخوانی منہ بند پری کی

معمور ہوں ذلت سے حماقت سے بھری ہوں
کچھ کہہ نہیں سکتی ہوں میں منہ بند پری ہوں

فاقے سے ہوں بھوکی ہوں غضب ہے مرا غصہ
ٹھنڈے ہوں ابھی لوگ جو میں گرم ذری ہوں

وہ شمع ہوں گل کرنے کو محفل جسے اٹھے
اس باغ جہاں میں میں نسیم سحری ہوں

زندہ نہ رکھے گا مجھے سن لے گا جو نائی
میں کفر کے شہزادے پہ سو جاں سے مری ہوں

چہ بولہ منہ بند پری کا

راجہ اندر ناڈ سو گئے دیا نہ کچھ انعام
جاتی ہوں مر گھٹ میں یہاں مرا کیا کام

سن لے مستا دیو رے تو میری اک بات
آتی تھی گھر ناڈ کے میں آج کی رات

شہزادہ اک رستہ پہ سوتا تھا نادان
اس بھتنے کو دیکھکر نکلی میری جان

اتری اپنے تخت سے رنج بہت اٹھائے
سوتا تھا وہ مردہ سا ہاتھ پاؤں پھیلائے

کالی صورت دیکھکر دل کا گیا قرار
بھونڈے نقشے پر کیا خوب سا پیار

دل میرا لگتا نہیں محفل میں اس آن
اب کوئی دم کی میں ہوں مہمان

اس کو گر تو لائے گا کھینچکر مکان
لونڈی تیرے پاؤں کی بنوں گی بے دام

جواب مستا دیو کا

گھر میں جتنے ناڈ کے تو سب کی سردار
تجھ سے کر سکتا نہیں ہرگز میں انکار

پھوٹ تو منہ سے اپنے کچھ تو مجھے بتا | پتا دے ملعون کا لاؤں ابھی اُٹھا

جواب منہ بند پری کا

جا تو نہ پہچوں بیچ میں کیچڑ کے درمیان | سوتا ہے اک بد شکل ٹھہری پر نادان
جوتا میں دے آئی ہوں اپنا اُسے نشان | کالے چمڑے کے نشان سے تو اسے پہچان

سوال ستاویو کا

لایا شہزادہ کو میں جا کر ہندوستان | معشوق اپنا او محبہ جلدی سے پہچان

جواب منہ بند پری کا

یہی ہے میرا لخت دل یہی ہے میری جان | ماں باپ ہے یہی میرا میں اس پر قربان

جگانا منہ بند پری کا شہزادے کو

سوتے ہو کیا بیخبر چھوڑ کے تم کفار | آنکھیں کھولو اپنی پیارا نیند سے ہو ہشیار

جاگنا شہزادے کا اور گھبرا کر کہنا

کھونٹا میرا کیا ہوا چھوٹا کدھر مکاں | سوتا تھا میں کیچڑ میں لایا مجھے کہاں
نا وہ کالی مہری ہے نا وہ میرا گھر | خواب یہ میں دیکھوں ہوں یا ہو گیا ہوں خر

گانا شہزادے کا عالم حیرت میں

کھینچ کر کون ملچھ آہ یہ لایا مجکو | کس ستم کیش نے سوتے سے جگایا مجکو
لا کے ناحق کو عبث آہ ستایا مجکو | یہ تکلف تو کسی طور نہ بھایا مجکو
بس میں محبہ کے مجھے چھوڑ دیا ہائے غضب | ڈھونڈھنے کوئی بھی دفتر میں نہ آیا مجکو
حیف صد حیف کسی نے نہ خبر لی میری | میرے پہ جانے عبث دل سے بھلایا مجکو

گانا شہزادے کا

مجھے آہ تقدیر لائی کہاں | کہ منہ بند بھتنی ہے گونگی جہاں

مجھے آہ تقدیر

گدھیا یہ باندھی گئی میرے سر | اسے چھوڑ کر اب میں جاؤں کہاں

مجھے آہ تقدیر

ترس آتا ہے مجکو حالت پہ اس کی | کہ مفلوج ہے اور ہے ناتواں

مجھے آہ تقدیر

زباں تک نہیں قابو میں اسکی ہے پڑی کس مصیبت میں اب میری جاں

مجھے آہ تقدیر

کہنا منہ بند پری کا اشاروں سے

دیکھو تم میری طرف گھر کا ذرا مت نام گھر میں میرے لاکھوں ہیں دھوبی اور حجام

جو ہونا تھا سو ہوا اب کیا پچھتانا اتنے میں کہ جال میں آگئے ہو نانا

نام اپنا بتا کر کرو دل کو شاد میں خوشی میں آن کر بانٹوں گی پرشاد

جواب شہزادہ کفر کا

اونچوں میں رہتا ہوں عیش ہے میرا کام شہزادہ ہوں میں ہند کا کفر ہے میرا نام

سوال شہزادہ کا منہ بند پری سے

تو بھتنی کس قوم کی اپنا نام بتا پھوڑا سا سینہ پر تیرے نکلا ہے کیا

جواب منہ بند پری کا

قوم کی ہیں بھتنی ہوں منہ ہے میرا بند اوندھی سیدھی لپیٹ کر کروں تجھے خرسند

رہتی ہوں میں کالکوری گڈھی ہے میرا نام نفرت سے اس قوم کی ہوئی ہوں میں بدنام

سوال شہزادہ کا

جلدی بتلا اب مجھے اس دم اے مردار لاکر تیرے پاس مجھے کیا کس نے خوار

جواب پری کا

تجھ پر میں عاشق ہوئی چلتے چلتے رستا اٹھا منگایا یاں تجھے کھینچ کے مرزا متا

شعر خوانی بہ اشارۂ منہ بند پری

آ مرے پاس کر تجھ پہ چڑھاؤں کسکو چھاپہ خانہ کی ذرا کل سے دباؤں تجھکو

دلکو بھاتی ہیں جو بھونڈی سی ادائیں تیری میں اشارے سے ذرا لے لوں بلائیں تیری

لیٹ پہلو میں تو گھر بھر کو میں برباد کروں آگ دکھلا کے پڑوسیوں کو میں دل شاد کروں

جواب شہزادے کا

قوم میں اپنی کوئی دے گا نہ کھانا تجھکو مار ڈالے گا ابھی جان سے نانا تجھکو

تجھکو الحق نہ سمجھ خوب سیانا ہوں میں تو اگر گونگی ہے کم بخت تو کانا ہوں میں

جیسے تجھ سی زمانے میں نہ ہوگی کم قوم آپ بدنام ہوئی ہم سے تو چھڑائے ہم قوم

بھیج مستا کو مجھے کھینچ بلایا تو نے | کفر کو خوب ہی پھندے میں پھنسایا تو نے

جواب منہ بند پری کا اشاروں سے

موت کا لطف ہے ایسی ہی ملنسای ہیں | بھیکی پکتی ہے نمک جب نہ ہو ترکاری ہیں
دل میں تو خوش ہے کہ کیا لڑ گئی قسمت میری | مجھ سی منہ بند پری کو ہے محبت تیری
شرم تجکو نہیں اے کاٹھ کے الو آتی | ہے چھچھوندر کی بدن سے ترے خوشبو آتی
دیکھ پچتائے گا برباد اگر تل ہو گا | پھر نہ موقع تجھے کمبخت یہ حاصل ہوگا

جواب شہزادے کا

وصل کرنے پہ میں راضی ہوں مگر اس پہ کہ پہلے | اب کسی غیر کا ہرگز نہ پکڑنا تو ہاتھ
دوسرے یہ کہ حسنی نائی کی ہے میں نے سمجھا | ساتھ لے چلکے ابھی مجکو ذرا دکھلا لا

جواب اشاروں میں منہ بند پری کا

بیہودہ بات زباں پہ نہیں لاتا کوئی | گھر میں حجام کے اشراف ہی جاتا کوئی
دنیا حجام کی کسوت یہ عبث جان ہی تو | وہ تعصب میں بھرا ہے ارے نادان ہی تو
ایسی حجام کو اشراف نہیں جانتے ہیں۔ | قوم پاجی کی ہے بے عقل یہ اتراتے ہیں
آفت آجائے گی تجھ پر ارے دیوانہ ہے | ایک کمبخت ہے شیطان کا وہ نانا ہے
نام تیرا جو کوئی اس کو بتا دیوے گا | ٹھونک دیگا وہ تجھے تجکو مٹا دیویگا

جواب شہزادے کا

جھوٹ ہی جھوٹ ہی واللہ یہ سب بات تری | میں سمجھتا ہوں کہ خیلا ہے یہ سب گھات تری
مرزا مستا کے یہاں رات کو تو جاتی ہے | ساتھ لیٹتے ہوئے اس سے بھی شرماتی ہے

جواب پری کا

بات ایسی تو زباں سے نہ نکالو صاحب | چونچ کو بند کرو منہ کو سنبھالو صاحب
مجکو مستا سے برا کام جو کرنا ہوتا | آدمی زاد پہ کس واسطے مرنا ہوتا
میں پری ہو کے بنڈیلے پہ فدا جان کروں | ایڑی چوٹی پہ موئے بھوت کو قربان کروں

جواب شہزادے کا

روز لونڈوں کو تو کوٹھے پہ بلاتی ہے تو | پھر مرے سامنے باتیں یہ بناتی ہے تو
صبح ہوتی ہے میر پہچان نہ بھولا مجکو | بھیر ویں جلد ذرا اپنے چلکے سنا مجکو

جواب پری کا

جان دی صفت میں اور دشمن جانی تو نے | بات ہرگز مری کمبخت نہ مانی تو نے
تو بھی کم ظرف ہے کب تک تجھے سمجھاؤں میں | چھوپڑا چل تجھے نانی کا دکھلاؤں میں

جواب شہزادے کا

ساتھ چلنے میں تو ہر طرح کی تیاری ہے | پر نہیں رکھتا ہوں اس وجہ سے لاچاری ہے
پر کٹی کوئی تو تدبیر بتا دے مجکو | یا کسی اُلو کے پر نوچ کے لا دے مجکو

جواب پری کا

بہکی باتیں نہ کرو ہوش میں آؤ بابا | دونوں ہاتھوں سے مرے تخت کا پکڑو پایا
یہ نہ ہوئے تو مری ٹانگ پکڑ لو جانی | تم تو اسے ہو تو میں بھی ہوں تمہاری نانی
مجھ سے واں جا کے کوئی بات نہ کہنا بیٹا | پیچھے پیچھے مرے تم ناچ میں رہنا بیٹا
گا کے اور ناچ کے بت سب کو بنا دونگی میں | تجھ کو مہری کے درِ تیچے میں بٹھا دونگی میں

جانا دوبارہ منہ بند پری کا سبھا میں اور اشاروں سے باتیں کرنا

نائی نے بلوا کر کیا مجھے آرام | آئی ہوں پھر یہاں کروانے اپنا کام
کروانے اپنا کام یہاں پھر آئی | ٹھمری چھیڑ غزل کی مجھ میں دھن ہی سمائی

شہزادی کی غیں غیں

کرے جو شہزادی منہ سے غیں غیں تو نوحہ بن جائے راگ ہو کر
اٹک اٹک کے رہ جائے منہ کے اندر زبان بوتل کا کاگ ہو کر
کجا ہماری شرر فشانی کہاں گدھیوں کی سیپوں سیپوں
خدا کی قدرت کہ لینڈی بھی اب چلت لگاتے ہیں ڈاگ ہو کر
سیاہ پوشوں سے تم نہ بچو بتائے دیتے ہیں سمجھتے نائی
کہیں نہ گھس جائیں بل کے اندر تمہی ہنسی ہیں یہ ناگ ہو کر

ہماری شیوا بیانیوں سے ملا دمسٹر نہ اپنا بھکڑ
پلاؤ لے سا کھتر مجکو کھاؤ کہے یہ تجھوے کا ساگ ہو کر

پڑے ہیں کچھ ہاتھ ایسے بیڈھب کہ من ہنی جامہ سے ہے باہر
ٹپک پڑے کیوں نہ بھتوک منہ کا کمال غصے سے جھاگ ہو کر

یہ غیرتیں اٹھ گئی ہیں اتنو کہ پیچ ہو کر کے دُم دبائی
جو بھاگتے ہیں تو کہہ رہے ہیں کہ ہم تو آئے ہیں بھاگ ہو کر

کہے دیتے ہیں تمسے ہم تو ظریف خاں دو خبیث نہ بنجو
وگرنہ کھا جائے گا یہ ظالم تمام کیتیوں کو ناگ ہو کر

خجل ہے غاد منقلب بھی کہ منہ دکھاتا نہیں ہوا ہو
کجا توقع کہ دُم دبا کر یہ بھاگ جائے گا گھاگ ہو کر

چھپتے ہیں کوا کی طرح سے تمام احمق تمام بد بیں
جلا ئیں سب اعتراض ان کو نہ کیوں تمہم کی آگ ہو کر

عیدی

فضلِ خالق سے عید آئی ہے	یہ خوشی اپنے ساتھ لائی ہے
منتے حجام کو تکا دے دو	یہ غریب اک قدیم نائی ہے

شیخ چلّی کا لیکچر

یہ بات صوبہ بنگالہ اور صوبہ متحدہ صوبہ پنجاب صوبہ مدراس کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گی۔ کہ آج ہم اُس بیداری کے خواب کو دیکھنے کی غرض سے کوٹھے پر چڑھے ہیں جس کے آثار ہمکو ایک مدت سے نظر آ رہے تھے۔ درحقیقت سودیشی تحریک کا نشو ونما ہندوستان میں کچھ آج سے نہیں ہے ہمیشہ سے ہے۔ زمانہ گذشتہ کے اہل الرائے ہندوستان کی مفلسی اور مغرب کی روزافزوں ترقی پر غل غپاڑہ مچا یا کئے۔ اور دہائی دیا کئے۔ لیکن کوئی خبر نہ ہوا۔ یہاں کے اگلے بڈھے بخلاف ہمارے تجارت اور صنعت وحرفت میں زیادہ منہمک تھے۔ ایک ایک بڈھا اچھی طرح علم انساب کے رو سے بغیر غور و تفکر کے بتا سکتا تھا۔ کہ یہ دنبہ ہے یا بھیڑ۔ بندر ہے یا بکری گھوڑا ہے یا گدھا۔ بیل ہے یا گوا بیل ہے یا گائے اونٹ ہے یا بلی تجارت اور تجربہ کا تو یہ حال تھا۔ اب لیجئے صنعت وحرفت عراق سے عرب تک مشرق سے مغرب تک ہندوستان کی صنعت کی دھوم تھی۔ کملیاں چھلنیاں ڈفلیاں خنجریاں ڈھول تاشے گاڈھے۔ نہ ہو تو افسوس ہے کہ ہندوستان پر تمام آسائش کے ساز وسامان مٹا کر خاک میں ملگیا۔ اور غیر ملکوں نے اس کے کھنڈرپر قبضہ کرلیا۔ یہ خفیہ سودیشی تحریک چپکے چپکے اپنا کام کررہی تھی اور منڈیا میں گڑ پھوڑ رہی تھی لیکن تقسیم بنگالہ کے چابک نے اچھی طرح پیٹھ سہلادی اور گدگدی چھاڑدی اب کیا تھا

لگے دولتیاں اُچھالنے

یہاں تک کہ پیچھے پر ہاتھ رکھنا ناگوار خاطر تھا۔ کبھی سر کھائی کتیا کی طرح ادھر سے اُدھر دوڑتے تھے۔ کبھی بنی بلی کی طرح کھسکنے تھے۔ آخر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں بندے ماترم کے سوا کچھ نہ بجنے لگے۔ لہذا سودیشی تحریک کا قیام ہمارے لئے ابدی ہے۔ اور اگر تقسیم بنگالہ استرد کردے۔ تو پھر یہ سارے چل بوں غائب غلہ ہو جائینگا۔ اور کل شکوے شکایت دفع ہو جائیں۔ اسی پردے میں مسلمانوں کا بھوکے مرنا مقصود ہے۔ بھائیو اگرچہ میں خود ایک مسلمان ہوں لیکن جس طرح میرے ہمقدم بعض دانا لیڈر اپنا گلا آپ گھونٹ رہے ہیں۔ اور اپنی قوم کی گردن پر آپ چھری پھیر کر اپنی نیا پار کر رہے ہیں۔ اسکو عام ہیونو نے مسلمان نہیں سمجھ

سکتے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے سمجھنے کی کسی مہذب مسلمان کو لیاقت نہیں۔ اور اس راز کے کھل جانے سے مدبران ملک کے واسطے خرابی کے آثار ہیں ہم کو اس بات کا ضرور افسوس ہے کہ ہمارے بہت سے ہم خیال جیلخانہ کی سیر کر رہے ہیں۔ اور بعض بعض جانے کو تیار ہو رہے ہیں۔ مگر سوراجی خفقان اور سودیشی سوداوی مادہ ایسا نہیں ہے۔ جو دو چار مسہل میں تحلیل ہو جائے۔ اس کے واسطے ایک زبردست عمل کی ضرورت ہے۔ جو تمام مادہ سوداویہ کو خارج کر دے گورنمنٹ حکیم ہے۔ اور ہم علیل۔ رائے علیل بھی علیل ہوتی ہے۔ حکیم جو کچھ حکمت عملی سے کام کرے گا مفید ہوگا۔ کیونکہ یہ ملکی جوش گذر جانے والا دھارا نہیں ہے۔ بلکہ یہ تحریک ایک سالم صورت میں نمودار ہوئی ہے۔ اور امید کی جاتی ہے کہ بہت جلد ترمیم ہو کر ترقی کر جائے۔ اور امید کی جاتی ہے۔ کہ بہت جلد ملکی گرم شمالی کی کنجی ثابت ہو۔ کیونکہ ہندوستان کی مفلسی ایک مسلمہ امر ہے اور ہندوستان کا خاص پیشہ زراعت ہے۔ زراعت کی حالت ایسی خراب ہے کہ فاقہ کے اجرام میں قوت جاذبہ ضعیف ہو گئی۔ لہٰذا امساک کھانے کی ضرورت ہوئی جس کا لازمی نتیجہ امساک باراں ہے۔ بغیر پانی کیونکر برسے اور قحط سالی کیوں نہ ہو ضدین کا مجتمع ہونا عقل سے باہر ہے۔

گو کہ ہم لوگوں نے دائمی بندوبست کی درخواست کی مگر نامنظور و نامطبوع ہوئی۔ سرکاری محصول روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مقامات پر قابل زراعت زمین میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اور زراعتی زمین بانجھ ہوتی جاتی ہے۔ پیداوار غلہ ضرورت سے بہت کم ہے۔ ہندوستان میں قحط بہت جلد جلد تشریف کا ٹوکرا لانے لگا جس سے رعایا کی مصیبت آسمان پر چڑھ گئی ہے۔

اب وہ وقت ہے کہ ہم لوگ کوئی مفید کام شروع کریں۔ اور وہ ہندوستانی صنعت ہو سکتی نہیں۔ کر سکتے نہیں۔ جاپان جائیں جولاہے بن کر آئیں۔ امریکہ جائیں قلعی گر بن جائیں بڑھئی بنیں۔ لوہار بنیں غرض دھوبی کے کتے گھر کے ہوئے نہ گھاٹ کے۔

پڑھنے لکھنے کے بعد ترقی معکوس کا خیال ہوا۔

پڑھیں فارسی بیچیں تیل
یہ دیکھو قدرت کے کھیل

"لیکن اگر ہم اپنے ملک کی ترقی کی کشتی ادبار کے سمندر سے نکالنا چاہتے ہیں تو ہم کو چاہیئے کہ

تجارت کے سمندر میں غوطے لگایا کریں ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ہندوستانی بھائیوں کا سرکاری
اور غیر سرکاری نوکری کی طرف بہت کچھ خیال ہے - استغفر اللہ یہ ایک ذلیل بات ہے - اسے
کو محض لالہ لوگوں کے حوالے کرو اور بنگالی بابوؤں کو دیدو - یہ لیسوفی اور کنتو فی انھیں
سے خوب ہوگی - مسلمان لوگ بڑے بیوقوف ہیں - جو ذراسی نوکری کے لیئے لڑتے مرتے
ہیں - جدید اصولوں پر کام کرو اور پرانی صنعتوں کو زندہ رکھو - یہی ترقی کا بھید ہے -
ابھی ہم کو بہت کچھ کام کرنا ہیں - اور ہمارے راستے کانٹوں سے خالی نہیں - ہمکو بہادری
سے مصیبتوں کا سامنا کرنا چاہیئے - اور ہوشیاری سے منزل مقصود تک پہونچنا چاہیئے
ہمکو حب الوطنی کا اصول مدنظر رکھکر اپنی ہنڈیا گرم کرنی چاہیئے - یہ چال چل گئی تو چپڑی
اور دو دو ہیں -

یہ سچ ہے کہ تقسیم بنگالہ کے نشتر نے سودیشی کے میلان کو بائیکاٹ کے اسلحہ سے
مزین کر دیا - کیونکہ سودیشی کے دوسرے معنی غیر ملک کی چیز سے نفرت کرنے کے ہیں -
اس سبب سے بائیکٹ لازم و ملزوم ہے -

اور قاعدے کی بات ہے کہ کام میں جب تک شور و غل نہ کیا جائے جوش پیدا
نہیں ہوتا - مار مار کرنا چاہیئے اگرچہ نامردی خدانے دی ہو -

لیکن اگر واقعات کا دلچسپی سے مطالعہ کیا جائے کہ جس روز ہم تمام یورپ کی
عمدہ اور نفیس مال بنالیں گے - اوسی روز ملکی تجارت کی بادشاہی کا تاج ہمارے سر پر رکھدیا
جائے گا - اسوقت ہمکو بائیکٹ کی ضرورت نہ رہے گی - یہ غل غپاڑہ چند روزہ ہے - دراصل
سودیشی تحریک کی آغاز پر گورمنٹ کو کچھ غلط فہمی ہوئی جس کی بدولت دو چار غریب شکار
ہوگئے - اور آئندہ بھی نہ معلوم کتنے ہوں کیونکہ اس کا راستہ جیلخانہ کے قریب ہے - لہذا
بعض مدبران قوم ادھر سے ادھر کھسک جاتے ہیں - اور یہ قومی غلط فہمی ہے -

آج ہم لوگ اس خوشی میں اوچھل کود رہے ہیں کہ صوبہ متحدہ کے نفٹنٹ گورنر
سر جان پرسکاٹ ہیویٹ صاحب نے سر اینٹنی مکڈانل کی تقلید میں پہلا قدم اٹھایا -
جس سے زمانہ کی روش بدل گئی اور ہماری جان میں جان آئی - نہایت خوشی کی بات ہے کہ ایک
صنعتی کانفرنس نینی تال میں کی گئی - جس سے کامل ہمدردی کا ثبوت ملتا ہے - خیر خدا خدا کرکے
کچھ پکڑ دھکڑ کا خوف تو کم ہوگیا - اور ملک کی سرسبزی کی بھولی بھولی صورت خواب میں دکھائی

دی۔ مگر اس خوف کے مارے جان نکلی جاتی ہے۔ کہ پلیگ ہر سال صفائی کا داروغہ بنکر آتا ہے۔ اور ہندوستان کی لاکھوں بکریاں گرگ اجل کے حوالے کر دیتا ہے۔

بات یہ ہے کہ ہم خود بھوکے ہوتے ہیں۔ قاعدے کی بات ہے کہ نزلہ بر عضو ضعیف میریزد۔ کمزور سمجھکر ہمیں کو دباتا ہے۔ وہ لوگ اس بیماری سے محفوظ ہیں جو مرغن کھانے کھاتے ہیں۔ اور ہماری کمزوری ظاہر ہے کہ انسانی خوراک کا کوئی حصہ ہمکو میسر نہیں آتا۔ چوپایوں کو خوراک ملتی ہے۔ درحقیقت بغیر سرکاری امداد کے ہمارا چوبردہ نہیں چل سکتا۔ ہماری تکمیل گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہے۔ جب ذرا ہم سر اٹھاتے ہیں۔ وہ ایک جھٹکا دیتی ہے کہ ہم ناک مل کے رہجاتے ہیں۔ ورنہ ڈنمارک میں آجکل جو نمایاں ترقی قابل رشک ہو رہی ہے وہ گورنمنٹ کی اندرونی اور بیرونی مدد سے ہے۔ راتوں کو گورنمنٹی ہمزاد ان کی کاشتکاری کرتے ہیں۔ اور انکی خشک زمین میں نلوں کے ذریعہ سے آب رسانی کرتے ہیں۔ کھیتوں کو سرسبز کرتے ہیں۔ اناج کاٹ کر غلہ کا ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ اگر ایسی رعایت اور مہربانی ہم ہندوستانیوں کے ساتھ کیجائے۔ تو آج ہندوستان انگلستان سے وقعت اور منزلت میں کچھ کم نہ ہو۔ کیونکہ ماشاءاللہ ہندوستانی ان سوکھی ہڈیوں پر بھی محنت میں کچھ کسی سے کم نہیں ہیں۔ زراعت میں یہ حالت ہے۔ اور صنعت میں یہ حال ہے کہ اپنی بری اور بھدی چیز غیر ممالک کی نفیس اشیاء سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ ہندوستان کا ٹاٹ یورپ کی زربفت سے عمدہ ہے۔ یہاں کی چڑیل وہاں کی پری سے بہتر ہے۔ ہم کو حب الوطنی کا حق ادا کرنا چاہیے اور ہم لوگوں کو غیر ملکی اشیا کی صفائی اور خوشنمائی کو بالکل فراموش کر دینا چاہیے۔ اس کی سفید دانہ دار شکر قند سیاہ سے بدتر ہے۔ اور یہ نفرت جب تک دل میں قایم نہ ہوگی۔ اور غیر ملکی چیزوں کی طرف سے آنکھ نہ بند کر لی جائے گی۔ اس وقت تک دل کی آنکھیں روشن نہ ہونگی۔ لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید ؎

کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف
دل کے آنے کے ڈھنگ ہیں کچھ اور

ہم کو اپنی نورانی گدڑی سنبھالنا چاہیے ؎

کہن خرقۂ خویش پیراستن
بہ از جامۂ عاریت خواستن

ہم کو لازم ہے کہ اپنی ڈفلی سنڈہ کر بجائیں اور کچھ نہ ہو تو غل فش چلی پوں مچاکر ملک میں ہل چل ڈالدیں جس سے گورنمنٹ کی نظروں میں ہماری وقعت ہو۔ اور ہم کو بھی مرد سمجھے بغیر اس کی عزت حاصل کرنا مشکل ہے ×

مسٹر سیون کا آخری چارج

اے والیان ملک۔ اے مہتران قوم۔ اے راجگان ونوابان۔ اے شریف قوم۔ اے رذیل قوم اے دانا اے نادان میرا مدت مدید سے خیال ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں تمام شریف اور پاجیوں سے خفیہ ملاقات کروں اور باری باری سے اپنے دربار میں بلاؤں۔ افسوس وہ وقت تو نصیب نہ ہوا۔ اور میری رخصت کا زمانہ قریب آگیا ؎

اب تو جاتے ہیں بتکدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

میں جانتا ہوں کہ آج تمام دنیا کے مالک آپ لوگ میری ملاقات کو جمع ہوئے ہیں دنیا کی اسٹیج پر اجلاس کرنے کا دستور قدیم الایام سے مروج ہے چنانچہ آجتک دھوبی مہتر بھنگی بہشتی کبڑیئے دن بھر کی چھوا چھو اور بٹے بچے اور لہسن پیاز کی دھربار اٹھا پٹخ کے بعد آٹھویں دسویں پنچایت کر کے ایک موٹے تازے احمق کو اپنا مکھیا بنا لیتے ہیں جو ان کی خیدیا سہلاتا ہے۔ اور بھیجا کھاتا ہے۔ اس طرح کی بیوقوفی میں اتفاق وقت سے آج میں بھی پھنس گیا ہوں۔ ایسے ایسے اجلاس کی بدولت بہت سے کام کی باتیں نکل آتی ہیں۔ ممکن ہے کہ کسی قدر میری طرز حکومت میں کمی واقع ہوئی ہے۔ تو اس کی اصلاح میں دوسرے دربار میں پہونچکر کردوں۔ مگر مجھ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ تمام دنیا کی رائے کا اونٹ کس کروٹ بیٹھا ہے میں ہمیشہ سے شہرت طلب واقع ہوا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ

میرے کارنامہ آب زر سے لکھے جاویں

کیونکہ تاریخی واقعات اور قوم کے گرے پڑے آثار سے ماحیت اور کس مپرسی کا نقشہ ہوبہو

کھینچ جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ میرے زمانہ حکومت میں بہت سے واقعات ایسے ہوئے جن کو لوگ کبھی نہ بھولیں گے۔ جدید شاہ ایران کا ایرانی حکومت اپنے ہاتھ میں لینا اور ایران میں پارلیمنٹ کا قایم ہونا۔ اور مالی معاملات کی نگرانی میں پورا اختیار حاصل کرنا۔ تجارت کے متعلق عہد وپیمان کی تکمیل پارلیمنٹ کے ہاتھ میں آجانا۔ یہانتک کہ وزیر کا تقرر پارلیمنٹ کے اذن سے ہونا اس کے بعد سب سے زبردست واقعہ ہز مجسٹی امیر حبیب اللہ خاں والی کابل کا دورۂ ہندوستان ہے جو خاصکر تمام ہندوستانی مسلمانوں کی خوشنودی کا باعث ہوا۔

پھر مشرقی بنگال اور پنجاب کی شورشیں اور بغاوتیں شروع ہوئیں اور اسی جھپٹے میں لالہ لاجپت رائے اور بھگو حلوائی بھی آگئے۔ کر کر و ک نیافت۔

لوگوں کی باغیانہ حرکتوں نے گورنمنٹ کو ان سے اس قدر بدظن کر دیا۔ کہ ماہدولت کی نگاہ میں انکا ذرا بھی بھروسہ نہ رہا۔ اور آخر دو چار ٹرھ پکڑ کر بھیجدیے گئے تو ان کا نشہ بغاوت ہرن ہوگیا۔ اور جب

ادہا دسند شکایتوں کی بھرمار

کے بعد بھی ماہدولت خاموشی اختیار کر بیٹھے تو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوگیا۔ اور سمجھ گئے کہ سرکار کو ذرا پوی کی بھینٹ چڑھانے کی ضرورت ہے۔ پھر آخر بغاوت وفاداری کے ساتھ بدلگئی اور خوشامد کی طوطی دوڑنے لگی۔ گورنمنٹ ایسی ہے۔ ویسی ہے۔ ماں باپ سے زیادہ مہربان ہے۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ مار کے آگے بھوت بھاگتا ہے۔ اخبار:۔ . . . . کے سابق ایڈیٹر جوجیلخانہ کی نذر کر دیئے گئے۔ شاہ مراکو کی عیش پرستی نے یہانتک پاؤں پھیلائے۔ کہ دارالبیضا میں ہزاروں لوگوں کی جانیں ضایع ہوئیں اور ہورہی ہیں۔ ناعاقبت اندیش لوگ اب بھی خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوئے۔ سخت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ اگر یہی نااتفاقی رہی تو مراکو کی قدیم سلطنت کا آفتاب جلد غروب ہوجائے گا۔ اور اس ہولناک منظر کو خاموشی اور حسرت کے ساتھ تمام لوگ دیکھیں گے۔ ماہدولت کا غصہ اس سے اور زیادہ ہوتا جاتا ہے اور قریب ہے وہ زمانہ کہ ہم ناخوش ہو جائیں مسلمان ایک سبب سے ہمکو زیادہ منحوس سمجھتے ہیں۔ اور وہ نواب محسن الملک بہادر کی بیوقت موت ہے۔ افسوس صد افسوس!

ہندوستان میں ہماری یادگار

ہم ہندوستان میں اپنی چند یادگاریں قایم کئے جاتے ہیں جن میں خاصکر ذکر کے قابل صرف ایک قحط ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہماری اس انمول یادگار کے آثار تمام ہند پر ظاہر ہیں۔ اور آیندہ اس مبارک آفت کا سامنا آنے والا ہے جس کی وجہ سے آیندہ مسٹر ایلجن کی گورنمنٹ کو اور اس کے عہدہ داروں کو اپنی ساری قوتیں اور قابلیتیں کام میں لانا ہونگی۔ اور چینی اور دودھا کی تہائی کا سامنا کرنا ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ ایسی حالت میں ہمارا چارج دینا کسی طرح موزوں اور مناسب نہ تھا۔ مگر میرے خیال میں میری روانگی ذاتی حرکت کا نتیجہ نہیں ہے پس مجھ کو اپنا حسن انجام خدمت دکھا کر اپنا اعزاز قایم کرنا ہے۔

آج جو تکلیف پبلک کو دیگئی ہے اوس میں زیادہ ضروری کام انجام پا سکتے ہیں۔ یہ بات زیادہ مضحکہ خیز ہے کہ میں اوس کارروائی کو جو عام کی مصیبت کی سختی کم کرنے کی غرض سے میں نے تجویز کی ہے۔ یا آیندہ کرنا چاہتا تھا۔ جس قدر زیادہ غل غپاڑہ کے ساتھ ممکن ہوگا پھاڑ پھاڑ کر بیان کروں۔ کیونکہ آج بہت سوتے ہوئے اشخاص۔ بڑے بڑے زمیندار قسمت ہند کے اپنی قسمت کو رو رہے ہیں۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ

اس واویلا سے کچھ فائدہ نہوگا

آپ سب آپس میں ملکر تمام مختلف اسباب مصیبت کی گٹھری اپنے سر پر اٹھا کر دقتوں اور پریشانیوں کی گلیوں میں گشت لگائیے۔

ان دنوں میں ایک ایسا خفیف امر ہے جس کے خیال واندیشہ سے امیر وغریب سب کی روح پرپرواز کھولے ہوئے طاعون کی امداد کی منتظر ہے۔ اور افلاس کا دیوان کے پیچھے لٹھ لئے ہوئے گھوم رہا ہے۔ نااتفاقی کی جوتی پیزار برابر مرمت کر رہی ہے۔ ان تمام مشکلات کا سامنا کرنے کو ملک کے ہونہار لوگ میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ اور خودغرض اپنے فائدہ کی غرض سے انکی کملی کترنے اور جیب کترنے کو بھائی بنا رہے ہیں۔ یہ خودغرض لوگ سر موذطن کرنے کی غرض سے دوست بننا چاہتے ہیں۔ ان کے دام فریب میں ایک مظلوم سرشتہ قوم آجائے گی۔ پس چونکہ ہماری امید دل پہ پانی پھیرا جاتا تھا۔ یہ بہتر معلوم ہوا کہ خشک سالی کے وبال میں پھنسانیکی کوشش کی جاوے۔ اور کوئی حیلۂ شرعی اختیار کیا جائے۔ شعر

صوفی واند سر انکہ اہل دردا ست ۔ کیں حادثۂ جہان ادیب صرفاست

در زیر فلک سرکشی آغاز مکن — اے خوشۂ گندم آسیا نہ گرداست

اس ڈبل کارروائی

کی ابتدا میں ہم سب لوگ بھڑکتے تھے۔ قحط سالی کے نام سے بخار چڑھتا تھا۔ جب ہم نے سوچ سمجھ کر ذرا باگ ڈھیلی کر دی۔ اور چمکارنا شروع کیا کہ تم گھبراؤ نہیں دلجمعی اور اطمینان سے محنت اور جانفشانی کی تخم ریزی سے فصل خریف کے کاٹنے کے واسطے ہنسیا لئے ہوئے کھیت میں ڈنڈ پیلا کرو۔ جب وہ زمانہ بھی نکل گیا۔ تو پھر ایک دوسری ہوا باندھی کہ اگرچہ فصل خریف نہ ہوئی۔ مگر اس کی کسر ربیع میں بالکل نکل جائیگی۔ ایلیم سے اٹھارہ اناج بو دینا۔ اور گنے کے کھیت میں گھیاں کی بیل پھیلا دینا آلو خود بخود پیدا ہو جانے لگا۔ نہیں تو شکر قند گاجر مولی۔ گوبھی کے پتے غذائے لطیف کا کام دیں گے۔ بالآخر وہ دن بھی گذر گئے اور چنے کے کھیت گدھے چر گئے۔ تو وہی

پرانا راگ الاپنا شروع کیا

جب ستمبر کا مہینہ گذر گیا۔ اور ہمارے حال کا ایک ایک تار ڈھلکنا شروع ہو گیا۔ ستمبر میں ایک بوند نہ برسی اکتوبر بھی اپنا توبڑا خشک لیکر چلا گیا۔ اگہنے کے دھان کے واسطے سنچائی کی ہوا بندھوائی۔ مگر اوس چاٹے کبھی پیاس بجھتی ہے آخر دوسری خریف بھی نہ ہوئی۔ دھان کا آٹھواں حصہ بھی پیدا نہ ہوا۔ اس پر مزید چوٹ یہ ہوئی کہ باجرا جوار کی جو غریب غربا کی خوراک ہیں۔ وہ بھی نیست و نابود ہو گئے تو ہمارے چھکے چھوٹ گئے۔ اب یوں سمجھنا چاہیئے۔ کہ معمولی پیداوار کا چہارم حصہ بھی نہ پیدا ہوا مجموعی کاشت ستر لاکھ ایکڑ زمین پر ہوتی ہے۔ سو وہ بھی اوسط درجہ کی ہوئی اوکھ کی پیداوار اس سے بہت کم ہوئی۔ جس کی دو مہینہ سے سیوا کیجاتی تھی۔ اور سب کسان منہ میٹھا کرنے کو زبان چاٹ رہے تھے۔ حلوا خوردن را روئے باید۔ بعض ضلعوں میں چارہ ابھی سے کمیاب ہے اور بہت گراں ہے۔ آدمیوں تک کو گھاس کھانے کو نہیں ملتی۔ ستمبر اور اکتوبر میں پچھوا ہوا چلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمین میں نمی کا نام بھی باقی نہ رہا۔ اور اس کا بھی افسوس ہے کہ جن دریاؤں سے آبرسانی میں مدد لی جاتی ہے وہ خود ایک ایک قطرہ پانی کو محتاج ہیں۔ یہ موجودہ زمانہ کا افسوسناک پہلو ہے

روئی نہ کپاس کولہو سے لٹھم لٹھا

تجارتی اخبار میں روئی نے ریشم کا بھی ساتھ نہ دیا۔ مگر کئی ضلعوں اور مقامات میں آبپاشی کے صیغہ کی گردش برابر جاری ہے کچھ تھوڑی بہت پیداوار کا جو تخمینہ کیا ہے سب گاؤں والے کھیتی میں سر کھپا رہے ہیں۔ لیکن موسم سرما نومبر کا مہینہ بھی جواب دے چکا پانی برسنا کیسا اوس تک نہ گری۔

جو بیچ ہو جاتا ۔ اب یہ حالت ہے کہ تمام ہندی اکثر ور اور دُبلے ہو گئے ہیں۔ پھونک مارنے سے اُڑے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں بھیک مانگنے والے معمول سے زیادہ سرگرمی اور مستعدی سے لپٹتے ہیں۔ اس پر بھی بعض حرام خور موٹے نظر آتے ہیں جن کی کسی موقعہ پر مومیائی نکالی جائے گی ۔ زیادہ افسوس کی بات ہے کہ دُبلے اور غریب آدمی اس گرسنگی اور گرانی کی مصیبت کو صبر و استقلال سے گذار رہے ہیں ۔ اور اپنی اپنی جان کی خیر منا رہے ہیں ۔ کیونکہ

طاعونی خوف و خطر

ان کو زیادہ جینے کی اجازت نہیں دیتا اپنی اپنی جان کے لالے پڑے ہیں ۔ چوہوں کی طرح اپنے اپنے بلوں میں چھپے بیٹھے ہیں ۔ تاجروں کے بل پاس نہیں ہوتے ۔ زندگی سے ناامید ادھر بخار آیا اُدھر مرنے کی ڈگری حاصل کر لی ۔ ذرا سا دانہ نکلا اور طاعون کی گلٹی کا خواب دیکھنے لگے ۔ گو ابھی اس مرض کا زیادہ زور نہیں ہے ۔ مگر دسمبر کے ختم ہونے کے ساتھ ہی چل چل ہو جاوے گی ۔ اور ڈاکٹر حکیموں بیدوں کی خدائی کا زمانہ شروع ہو جائے گا ۔ اور دمڑی کی دوا کے سیکڑوں روپئے ہو جائیں گے ۔ دولت کے ساتھ تو دیں بھی چھوٹی جائیں گی ۔ اور پھر فریب کی گردن پر احسان کا بوجھ رکھا جائے گا ۔ کہ ہم نے تمہاری جان بچائی ۔ ورنہ سب ایک ساتھ سے چھٹی ہو جاتے شعر

جس نے کچھ احساں کیا اک بوجھ ہم پر رکھ دیا
سر سے تنکا کیا اُتارا اور چھپر رکھ دیا

لاشے ٹھیلوں پر پھینکے جائیں گے ۔ اور مردہ بدست زندہ کی مثل صادق آئیگی ۔ جو کوشش طاعون کے دور کرنے کی عمل میں آ رہی ہے ۔ اس سے غرض یہ ہے کہ رعیت کی جان بچے اور امن و امان برقرار رہے ۔

جان بچی لاکھوں پائے

لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنا چارج مسٹر ایٹ کو دیکر رخصت ہو جائیں ۔ اور آنیوالی نیک ساعت میں ۳۱ دسمبر کی رات کے آخر حصہ میں تاروں کی چھاؤں میں ٹھنڈے ٹھنڈے ملک عدم کا بنا ولیت کرنے کو جدید بھاپی گھوڑے میں سوار ہو کر ہوا کے رخ پر سر پر بیٹھ نکل جائیں ۔ میں امید کرتا ہوں کہ تمام ہند کی تکالیف اور مصیبت رفع کرنیکی

غرض سے جو قانون عملدرآمد ہماری سرکار سے نافذ ہوا ہے اور جو کارروائیاں طاعون اور
قحط کے رفع کرنے کی اختیار کی گئی ہیں۔ وہ سب اس امر کے ثابت کرنے کو کافی ہیں
کہ ہماری سرکار کو سب امور سے زیادہ رعایا کی امن و عافیت کا لحاظ ہے۔ مگر افسوس ہے
کہ فی الحال لوگ اس مسئلہ کو اچھی طرح نہیں سمجھتے کہ طوعاً و کرہاً عملی طور پر ہماری مدد کریں۔
اور ہمارے کارنامے یاد رکھیں۔ لہٰذا ہم آپ سارے دنیا والوں سے رخصت ہوتے
ہیں اور مسٹر ایٹ سکے سپرد کرتے ہیں۔ جو آنے والی ٹرین میں آپ سے ملاقات کریں گے۔
اور ان کے واسطے دو کار آزمودہ رفیق

طاعون اور قحط سالی

مذکر اور مونث کا جوڑا چھوڑے جاتے ہیں۔ امید ہے کہ انکی مدد سے وہ بہت کچھ ملکی امور
میں ترقی حاصل کریں گے۔ اور امید ہے کہ افلاس اور فلاکت کی نقادی سے وہ تمام دنیا کو
مالا مال کریں گے۔ اور آیندہ جو کچھ آپ لوگ عرض معروض و تجویز مناسب ان کے حضور
میں پیش کریں۔ مناسب اور معقول الفاظ میں ہو نہیں تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ اور
روتے نہ بن پڑیگا۔ کیونکہ آپ لوگ ڈھل مل یقین ہیں۔ اور مستقل مزاج پرندی کر حیلہ
کی پرانی سبیل نکالی جائیگی۔ اور سب کبوتر ایک کابک میں بند کر دئے جائیں گے۔ آخر میں
ایک نصیحت اور کرتا ہوں کہ تم سب لوگوں کو زمانے کی ہوا کا رخ دیکھنا چاہیئے۔ اور ریلوے
ٹائم پیس کی سوئی کی نوک کی رفتار کے ساتھ ساتھ گھومنا چاہیئے۔ ایک سکنڈ بھر کا فرق
نہ ہونا چاہیئے۔ مصرعہ

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

اچھا رخصت رخصت!!!

ہولی کی ڈکشنری

کیا منائے گے اس سال رپورٹر ہولی
عین تقدیر میں تقریر کی کچھ طول ہوا
رنگ جو کھیلا تبھی آ گئے گا شہر کابل کا
جام صحت جو پئے جائیں گے باری باری
ہز مجسٹی سے ہوئے مسکے سنڈ ورہی
تم سودیشی کی تحریک پہ چھیڑو بالیو
کانگرس کے ڈیلیگیٹوں نے پیئے جام پہ جام
ایسا شیٹھ ہون کہ کہتا ہے بلاکر صاحب
منبر پہ ہوتی ہیں یہ ٹانگیں تو زمیں پہ گردن
پانی بھرتا ہے کبھی پھینکا جاتا ہے کبھی
ڈاکٹر ہو کہ کوئی نرس کہ کمپوڈر
رنگ بھی کوئی نیا ہو جو نہیں ہولی میں
کبھی اسلام کی خبروں کو نہ صحت سے لکھا
نام تہذیب و ادب ہند سے اٹھ جائیگا
آسماں اپنے ترشح سے نہیں باز آتا
ووٹ دینے کو اگر جاتا ہے کوئی ووٹر
خون کی ندیاں بہ جاتی ہیں کچن سی کبھی
سنگدلی ابر بھی اور ترشح سے ... کبھی
آگ لگ جاتی ہے سینے میں کہ اس ڈاگر
گالیاں بکنے سے کیا فائدہ ہے نشہ میں
گالیاں بکنے سے یہ خوف ہیں رہتا ہے
دورسے پر رہتے ہیں صاحب تو ڈراتے ہیں یہ خاک

جھوٹی خبر ونکی بنی ہے جو گرامر ہولی
کانگرس میں بپا ہو گئی اگلی سر لکچر ہولی
کھیلنے آئیں اگر ساتھ نہ آئے نہ ہولی
خالی کر دے گی مئے ناب کے کنستر ہولی
واہ کیا خوب چھپائی ہے ڈیرہ سر ہولی
کر پکڑ لے نہ بغاوت کا کریکٹر ہولی
کھیلنے جاتے ہیں اجلاس پہ سب تر ہولی
دل مرے ساتھ میں تم کھیلو گا مسٹر ہولی
اس طرح کھیلتے ہیں شام سے بچر ہولی
کھیلتا ہے یہ سیکشن پہ لوانڈر ہولی
نشہ میں بھر کے نہ کھیلا کرے جنجر ہولی
کھیلیں بھر بھر کے نہ بوتل ہو یہ کیفر ہولی
نشہ میں ہند مناتے رہے ریڈر ہولی
ساتھ بیٹے کے منائے گا جو فادر ہولی
کھیلنا جاتا ہے بھر بھر کے یہ واٹر ہولی
وہی بک بک سے چھپاتے ہیں ممبر ہولی
کھیلتا جاتا ہے کیا خوب ڈریدر ہولی
ساتھ لائی ہے نئے طرز کا پوڈر ہولی
ہم سمجھتے ہیں ستاتا ہے کنسٹر ہولی
کہیں کھلوائے نہ ڈاکٹر نہ سلیپر ہولی
بند کر دیں نہ کہیں ڈپٹی کلکٹر ہولی
اہل شملہ کو تو ہے ماہ دسمبر ہولی

یہ کبیرا اور یہ تہذیب خدا خیر کرے | ایسی موقوف کریں قوم کے لیڈر ہولی

رنگ اوچھالیں گے مضامین کے ہم اے عشرت
ہم سے کھیلیں گے اگر آج اڈیٹر ہولی

پولیٹکل ہولی

اسلامی ڈیپوٹیشن خوب بنایا
ہولی میں کیا رنگ اڑایا

انترہ

عبیر گلال پولیٹکل ملکر ۔ اپنا دکھڑا اگایا
ہولی میں کیا رنگ اڑایا
اونسے تو کام نہ ہوتا کچھ ۔ اپنا گھر خوب بچایا
ہولی میں کیا رنگ اڑایا
شملہ پر یہ پھاگ جو کھیلا ۔ رنگ بھی چوکھا آیا
ہولی میں کیا رنگ اڑایا!
لارڈ منٹو کی جے جے ہو گئے ۔ جس نے سب کا جھایا
ہولی میں کیا رنگ اڑایا

کابلی ہولی

ہولی کے ہیں ٹھاٹھ نرالے
آئے بدیسی کھیلن والے
نام حبیب اللہ خاں ہے انکا | رنگ شریعت والے
ہولی کے ہیں ٹھاٹھ نرالے

جلسہ کے اڈریس لئے سب | نینن ہیں یا بھالے
ہندو مسلماں ایک کئے ہیں | کیسے کیسے رنگ نکالے
ہولی کے ہیں ٹھاٹھ نرالے
جام صحت نوش کریں سب | اس مے کے ہیں متوالے
ہولی کے ہیں ٹھاٹھ نرالے
لارڈ منٹو عبیر اڑائیں | وہ ہوں پچکاری والے
ہولی کے ہیں ٹھاٹھ نرالے
انگلش نیٹو ایک کئے سب | رنگے گورے اور کالے
ہولی کے ہیں ٹھاٹھ نرالے
پھاگ یہ ایسا کھیلا تم نے | ہنس ہنس دیکھیں دیکھن والے
ہولی کے ہیں ٹھاٹھ نرالے

ایک لیڈی کا سراپا

بھورے بھورے بال اس کے لطف خالی نہیں | زلف مشکیں تو نہیں ناگن نہیں کالی نہیں
چوٹی گوندھے کون خالی سر پہ جوڑا باندھ لو | ایک گلدستہ بنا ٹوپی پہن لو زیب کو
اور اسپر ٹانک لینا چاہیے مرغی کا پر | تاکہ جنت میں نہ آئیں دیکھکر کچھ حیا نور
کاسۂ سر گول ہے اور اس کے اندر ہے دماغ | دل ہوا جاتا ہے جس کے دیکھنے سے باغ باغ
ایک پیشانی بھویں دو نیچے لمبی ناک ہے | شامہ ہے باصرہ ہے قوت ادراک ہے
عارض زیبا پہ ہے کیا سرخ پوڈر کی بہار | ہونٹ ٹکڑا ناریل کا منہ ہے دلکا اشتہار
دانت سیپی کے سے ہیں صاف یہ ہوتا ہے شک | اور زباں ایک گوشت کا ٹکڑا سمجھیے بیدھڑک
بات کرتی ہے ملائم کچھ عجب انداز سے | گریہ مسکیں کوئی روتی ہے نرم آواز سے
صاف ٹھوڑی ہے کہ ٹکڑا کیک کا بیگماں | کان ہے یا ناک الٹی ہو کے چسپی ہو یہاں
پتلی گردن ہے کہ گویا ڈگڈگی بیار کی ہے | ایک پٹہ طوق ہے زینت یہی کالر کی ہے
شانے بازو اور ساعد نرم نازک گول گول | سینہ میں دل چھپ رہا اور دل کے اندر ایک خول

ہاتھ میں مہندی نہیں کف ہائے روشن صاف ہیں
انگلیاں مولی کی نوکیں اندرہ انصاف ہیں

خوب قدرت نے بنائی ہیں وہ دونوں . . .
مشتبہ اُس سے نہیں ہو سکتی ہیں نارنگیاں

صاف ہیں ابھری ہوئی ہیں گال ہیں شفاف ہیں
سخت ہیں اونچی ہیں چکنی باہمہ اوصاف ہیں

پیٹ بالکل نرم و نازک پیٹھ ساری سخت ہے
رحم دل ہے ایک مونس دوسرا کمبخت ہے

دور میں دس انچ سے زائد نہیں پتلی کمر
یہ غلط ہے آف کہ کہنے لگے کوئی بھنوہ

پنڈلیاں نازک ہیں رانیں گوشت سے لبریز ہیں
پاؤں نازک ہیں مگر رفتار میں کچھ تیز ہیں

بات کرتی ہے عجب انداز سے وہ سیمبر
مسکرا کر کہتی ہے گڈ مارننگ مائی ڈیر

ساری جامہ سے نفرت زیب تن اک سایا ہے
دیکھکر کہتے ہیں صاحب دل یہ کس کا آیا ہے

مسٹر ساقی

ادھر آنا مرے مسٹر ساقی
ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر ساقی

نشہ ہے مجھکو ذرا آنے لگا
کہیں اُڑ جائے نہ سوٹر ساقی

اور اک جام گلابی دینا
مہرباں یار ڈیر سر ساقی

داغ دیدونگا سمجھ جھوٹ نہ تو
کچھ نہیں بھول ہیں ریوٹر ساقی

آمد سال ہے دختِ رز کی
ملدے رخسار پہ پوڈر ساقی

دختِ رز سے میری شادی کردے
تو ہی اس کام کا ہے فادر ساقی

نشہ میں میں ہوں بلا سے تیری
لا کوئی اور بھی ساغر ساقی

تو نیا دور نیا سال نیا
بھر کے لا آج تو کنٹر ساقی

کانگریس میں چلے گرم گزا
نرم اور گرم ہوا کشر ساقی

ایک کی پگڑی ہو اور ایک کا ہاتھ
ایک سہلائے ذرا سر ساقی

ایسی صحبت میں تو آتا ہے مزا
جب کہ ہوں چار وزیٹر ساقی

کوئی پگڑی کو اتارے سر سے
کوئی قدموں پہ رکھے سر ساقی

اور پولیس ہاتھ دئیے گردنیں | کیے اجلاس سے باہر ساقی
ہو یہ ریفارمروں کی نوبت | پڑتی جاتی ہوں برابر ساقی
نشہ کی بادہ سے پھر سے کہیں | بگڑینگے اکی چپت پر ساقی
گرمیاں اپنی دکھاتا ہی تھے | لاکھیں بادۂ احمر ساقی

کرکرا ہوگیا نشہ آخر
خیر جاتے ہیں برادر ساقی

ہمارا خیال

ہم سمجھتے تھے کہ لندن جائینگے | اور وہاں سے لائینگے موٹی سی میم
کالا انیٹو پر نہیں اسکو پسند | خود غلط بود انچہ ما پنداشتیم

دیسی بینڈ باجے کا گیت

سدا دیس کا راگ گایا کرو | مصیبت کو آنکھیں دکھایا کرو
مشقت سے روٹی کمایا کرو

بنا چاہتے ہو جو انسان تم | ترقی کرو مثل جاپان تم
مشقت سے روٹی کمایا کرو

زمانہ کی تمکو نہیں ہے خبر | تجارت میں جاتی ہے دولت کدھر
مشقت سے روٹی کمایا کرو

مسلسل جو محنت کئے جاؤگے | ترقی تجارت میں دکھلاؤگے
مشقت سے روٹی کمایا کرو

ذرا دستکاری کے دکھلاؤ کام | ترقی ہو لونڈی تو زر ہو غلام
مشقت سے روٹی کمایا کرو

صنایع ہیں تم فرد ہو طاق ہو | مگر کاہلی میں بھی مشاق ہو

مشقت سے روٹی کمایا کرو

اگر دیسی شے پر کرو اکتفا !!! — تو ہو جائیگا ہند کا کچھ بھلا

مشقت سے روٹی کمایا کرو

جو چاہو ضعیفی میں طاقت رہے — جو چاہو کہ دنیا میں عزت رہے

مشقت سے روٹی کمایا کرو

اگر چار پیسے کما لوگے تم — تو ٹھوکر نہ در در کی کھاؤ گے تم

مشقت سے روٹی کمایا کرو

در شکایت ابنائے وقت گوید

کہا اک گھر بسی سے بیٹے اک بار — خبر لے کچھ ذرا بیٹے کی سردار

اسے آوارہ لونڈوں نے کیا ہے — قبیحوں میں رہا کرتا ہے بدکار

وہ نامعقول اس درجہ ہوا ہے — نہیں فعل شنیعہ سے اسے عار

ادب اس کو بزرگوں کا نہیں ہے — ہوا ہے بادۂ غفلت سے سرشار

چڑھا کر انیٹ کی عینک کو احمق — مہذب سے کیا کرتا ہے تکرار

یہ سب کج بحثیاں بھی ہیں اسی کی — سمجھتا ہے وہ کانٹوں کو بھی گلزار

ہوا ہے اس قدر تہذیب سے دور — کہ بیہودہ کیا کرتا ہے گفتار

خراب اس کو کریں گے ملنے والے — بگڑ جائیں گے اس کے سارے اطوار

نہیں ہے خوف میرا بھی اسے کچھ — بُرے ہیں در حقیقت اس کے آثار

جو کرتا ہوں نصیحت نیک اس کو — تو اس بدکار کو ہوتا ہے انکار

گلی ڈنڈے میں رہتا ہے ہمیشہ — بگڑتے جاتے ہیں ہر روز کردار

شرارت پہ کمر باندھی ہے کس کر — نہ ہوگا خواب غفلت سے وہ بیدار

سمجھتا ہے جسے اشراف ہے یہ — اسی کو یہ دیا کرتا ہے آزار

کہیں ایسا نہ ہو پٹ جائے اک دن — کہیں ایسا نہ ہو ہو جائے تکرار

بہت یہ منہ کی آتا ہے سبھوں پر — بتا دے گا کوئی اک روز دھتکار
نہ اس کو اپنی عزت کا ہے کچھ پاس — نہ اس کو باپ کی ذلت سے انکار
میں کر دوں عاق اس کو دلیں یہی — کہ رنج اس نے دیئے ہیں مجھکو بسیار
رہونگا ساتھ اس کے اگر میں — تو ہو جائیگی اک دن جوتی پیزار
وہ آنسو بھر کے آنکھوں میں یہ بولی — کروں کیا میں کہ میرے تم ہو مختار
مگر سچ کہہ گئے ہیں شیخ سعدی — زنان باردار اے مرد ہشیار

اگر وقت ولادت مار زایند
از آن بہتر بنزدیک خردمند — کہ فرزندان ناہموار زایند

گوشمالی

کیوں نہ سمجھے ہم جو تم سے کہتے تھے — بحث کرنا ہے بڑوں سے نا روا
باپ سے کچھ بڑھ گئے ان کو جتا — ہے مقدم ہر گھڑی ان کی رضا
فرق ان کی شان میں گر آئے گا — باپ ہو جائے گا تم سے پھر خفا
ذات ان کی مغتنم ہے ورنہ میاں — تم کو گستاخی نہیں ان سے روا
بدزبانی سے نہ باز آیا مگر — تو یہ سمجھا خبط بکتے ہیں چچا
باپ بھی ناخوش ہوا اور دل بھی — غصہ تیری گالیوں پر آ گیا!
پھر وہ سرکوبی ہوئی پاپوش سے — مادۂ نزلہ کا غائب ہو گیا!
غل مچایا ماں نے ہے ہے میرا پوت — پٹ گیا لو پٹ گیا لو مر گیا
دوڑیو لوگو ہماری دوڑیو — اس گھڑی فرمائیو ہم پر دیا
شور مردوں نے کیا مت ماریو — اور اک شیطان سر پٹا نسیا
زور مارا اور رد حق نے بہت — جنت اور دوزخ میں اک غل پڑ گیا
جب بزن بیٹے کی گردان ہو چکی — پا چکا یہ بے حیا اسکی سزا
دستکاری سے جو بھیجا کھل گیا — دی یہ سعدی نے نوید جانفزا

ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد
ساعدِ سیمین خود را رنجہ کرد

ظرافت الدولہ بہادر کا نصیحت نامہ

شرارت کی غبی نے یہ نہ سمجھا وائے نادانی ۔ کہ ہیں یکتا زمن مرد میدان سخندانی
حسن کے سامنے روشن نہ ہوگا نام دنیا میں ۔ کہاں شیر نیستانی کجا غول بیابانی
بتاؤں کیا کہ ساری مثنوی اغلاط سے پر ہے ۔ غلط ہے مصرع اولیٰ تو ناقص مصرع ثانی
تحمل باندھا کہیں سے حمل کو پھر اسکے وزن پر ۔ لہر کہتے ہیں ناداں لہر کو از راہ نادانی
نہیں ہے سائنس "اکدم کی" یہ ہے کس ملک کی بولی ۔ "چکھے" "چکھنے" کو کہنا یہ کہاں کی ہے سخندانی
کبھی بینائی کے چہرے پہ جاتی ہے نظر ان کی ۔ کبھی کہتے ہیں سچ ہے "وہ پری تھی نا خنی گانی"
غرض اس طرح کے الفاظ مہمل اس میں موزوں ہیں ۔ اور اس پر یہ ہوا خواہوں کی ہٹ دھرمی کی طغیانی
کبھی لندن کے خط آتے ہیں جنت سی وہائی کے ۔ سفارش کرتے ہیں جان صاحب بنگلے دیوانی
کبھی سمجھا دی بیگم کوستی ہیں ہاتھ پھیلا کر ۔ الٰہی اس موئے کی خاک ہو جائے مسلمانی
بزن تیغے کہ ہندوستاں بلرزد کا یہاں مضموں ۔ ادھر فوج حمق پر پڑ گئی ہے ایک پریشانی
کلوخ انداز کو پاداش ملجاتی ہے پتھر سے ۔ چپت کھائی تو اب ہونے لگی کوتوں کی مہمانی
جواب آخر ملا تمکی شنکی تو نکل بھاگے ۔ بنے سب اعتراض اسکے ہیں گویا خط پیشانی
سمجھ میں کچھ نہ کچھ آپ نے لگا دی فرد جرحت سے ۔ بدلتے جاتے ہیں پادش بخیر امراض نسیانی
اگر پہلے سمجھ جاتے تو کیوں دقت یہیں ہوتی ۔ چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی
کہ بورانی ست بادنجان و بادنجان ست بورانی

ضرب المنکرین

کہا میں نے اک دوست سے ایکبار ۔ کہ ہیں آپ تو شاعر ذی وقار

دکھائی ہیں کیا غلطیاں آپ نے
کیے ہیں وہ کچھ اعتراض آپ نے
جو منصف ہیں وہ معترف اسکی ہیں
جو نافہم ہیں غش کھاتے ہیں وہ
برا مانتے ہیں عبث آپ کیوں؟
مہذب سمجھتے نہیں ان کو کچھ
کہا تم نہیں جانتے ہو اسے
مجھے غصہ آتا ہے جس شعر پر

مٹائی ہے کیا مثنوی کی بہار
نکالے ہیں اس باغ سے چن کے خار
کہ اغلاط ہیں بیحد و بیشمار
بھرا ہے بہت ان کے دل میں غبار
نہیں انکی بک بک کا کچھ اعتبار
بجایا کریں ڈھولکی پر ستار
کسی کا نہیں دل پہ ہے اختیار
وہ اس شعر سے ہوتا ہے آشکار

اگر بادر جنگ جو بد کسے
پدر رابے گمان خشم گیرد بسے

ظرافت الدولہ بہادر کے نوٹ

آپ لوگوں نے مثنوی کے جب پرخچے — تو ڈرے سے حاسد ہیں شرمندگا
برا ماننے کو کوئی جاہل تو مانئے — مثل ہے چور کی ڈاڑھی میں تنکا

ہوئی یاد دل کی جب بہت خوب — بھائی سب دان کے ساتھ مل بیٹھے
اب چھپکنے لگا ہے اک احمق — دیکھیں یہ اونٹ کون کل بیٹھے

کسی سے بے سبب کچھ بحثیاں کیں — ہوئے تھے بے پیئے تم کیا مست
چپت وہ دی کہ بھیجا منہ کو آیا — کلوخ انداز را پاداش سنگ است

خنجر ہے کسی کی نکتہ سنجی — حساد کے دل میں نشتر ہے
جو تشنہ چڑھتے ہیں انکے منہ کی کھاتے — خربوزے کا ہر طرح ضرر ہے

ہوتا ہے وہ اخبار مقابل کس سے
جو فرد ہے اس وقت میں اور یکتا ہے
اب چوں چخ ذرا بند کرے یہ اپنی
زیبا نہیں اس کو یہ شتر غمزا ہے

کچھ ظرافت میں کسی سے کم نہیں سر ظریف
جو مقابل اس کے ہوگا خوب ٹھونکا جائیگا
ہر ورق اخبار کا گویا کہ اک آئینہ ہے
ہمسری کی اب رے غیرے نے تو منہ کی کھائیگا

میں نے اک دوست سے اک روز تمسخر سے کہا
آپ معمورۂ الفت میں عبث رہتے ہیں
احتراز آپ کو لازم ہے ان احباب سے جو
ہے رقیب آپ کا اک جاہل ناداں بیشک
حرکت آپ کی دیکھا اسے دیدیتی ہے
رحم فرمایئے اب حاجی بغلول پر آپ
خر یہ کا کوری سے آیا ہے پئے کانجی ہوس
ہنس کے فرمایا کہ سچ کہتے ہو تم مشفق من
دلربا یانہ اداؤں پہ مرا دل ہے نثار
آپ کو حسن پرستی سے تعلق کیسا
کہ حسینان ستمکیش کا ہے وہ ڈیرا
کیونکہ ہے ظلم و ستم ماہ رخوں کا شیوہ
آپ جو فعل کریں ہوتا ہے اس کو صدما
ٹھیس لگتے ہی وہ ہوجاتا ہے چوراچورا
ورنہ بے دال کا بودم ہے بگڑ جائے گا
اس گدھے کے لئے درکار ہے بانس شکا
پر کروں کیا کہ نہیں دل یہ ہے قابو اپنا
ہر بہرہن ایسے تجھیں ورام است اینجا

قطعہ قاطع

دفتر میں اس طرح یہ گدھا ہے دھرا ہوا
گویا ہے عیش باغ میں سبزہ ہرا ہوا
کیوں تخت سے بولتا نہیں یہ شخص کی زباں
مال حرام گویا ہے منہ تک بھرا ہوا
اک روز رو رہا تھا پڑا اپنی بیچ پہ
سب کو ہوا یقین کہ گدھا ہے مرا ہوا
بولا یہ سین کھلوا کے ایک شخص
بچھڑا ہے خریم کا چمڑا ادھڑا ہوا
اس نے کہا شریم نہیں ہے حضور یہ
ٹیپو ہے آج رات سے بھوکا پڑا ہوا
اتنے میں اس گدھے نے جو انگڑائی لی تو آپ
سنتا ہوا سراک دم میں آٹکھڑا ہوا

دیکھا ظریف کو تو وہ اخبار دب گیا
دل میں خجل کماں یہ چلکنا گھڑا ہوا

اور لیتے جاؤ

جب حمل گر جائے گا تو سخت یہ شرمائے گی
سامنے مردوں کے بیچاری نہ ہرگز آئے گی
دیکھ یہ اچھی نہیں ہے دل لگی ہر ایک سے
پیٹ رہ جائے گا تجکو تو بہت پچھتائے گی
چھوڑ دینگے ہاتھ بد کا سا اگر مسٹر ظریف
مدتوں تک ٹھوڑی پہ چرخہ تری بجھائے گی

شاگرد اُستاد کے نازیبا

آتش سے کہا کسی نے ہنس کر
آتا نہیں رحم تم کو مجھ پر
شاعر ہو غزل نہیں بناتے
کہتا ہوں جو شعر ہنستے ہیں سب
صورت مری کم نہیں کسی سے
اردو بھی وہ چیز ہے کہ مجکو
اک مثنوی میں نے نظم کی ہے
پہلے اُسے رند نے سنایا
چھپر میں اُسے گھسیڑ دیا پھر
پھر کاٹ دیا اُسے بہت کچھ
باز آیا میں ان عنایتوں سے

اُستاد مجھے ملا قصائی
دیتا پھروں کب تلک دُہائی
کچھ مجھ کو نہ شاعری سکھائی
کہتے ہیں یہ نظم ہے ہوائی
ہاتھوں سے خدا کے ہی بنائی
اب تک تو نہ آتا تھی نہ آئی
تم نے نہ کبھی نہ خود بنائی
بعد اُس کے صحاف نے چھپائی
چھپ کے وہ ادبی میں آئی
کیا خوب یہ مثنوی بنائی
کی آپ نے خوب یہ بھلائی

اصلاح حضور نے جو دی ہے
مجھ کو وہ پسند کچھ نہ آئی

اچھا مجھے پھیر دو یونہی تم
میں آپ ہوں شاعر ہوائی

بلبل ہوں میں گلشن سخن کا
منقار ہزار کی ہے پائی

گو مثنوی میں ہر اشیاں ہوں
صورت میں تو کچھ نہیں برائی

منہ دیکھے کی ہو رہی ہے تعریف
صادق ہے یہ بات مجھ پہ آئی

صورت مری جو دیکھتا ہے
دیتے نہیں عیب اسے سجھائی

آتش نے کہا قلم دکھا کر
ناخوش زمن اے حسین چرائی

گر بر سر و چشم من نشینی
اے چشم و چراغ آشنائی

با اینہمہ کبر و خویش بینی
نازت بکشم کہ نازنینی

قطعہ عیدیہ

عید کے دن ز راہِ مکاری
بولی آیا کہ میں ترے واری

آج کے دن کی ہے خوشی سب کو
کوئی نائن ہو یا کہ بھٹیاری

آشناؤں سے اپنے ملتی ہیں
ماہ وش شاہدان بازاری

اب نہیں میرے پوچھنے والے
درد کس سے کہوں میں دکھیاری

ہاں بڑھاپے میں کون پوچھیگا
ساری دنیا کو تو ہے بیزاری

مر گئے آہ میرے عاشق سب
اب کرے کون میری غمخواری

سلامت رہو ہزار برس
ملتجی ہوں بگریہ و زاری

آج کے دن ظریف خاں ہی کہو
لے کے آئیں ضرور پچکاری

صاف کردیں وہ کوٹھری والا
سنتی ہوں آ رہی ہے بیماری

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

طاعونی چوہے

توپ اور بندوق لیے ساتھ لاتے ہیں چوہے
صاحب خانہ کو بھی گھر سے بھگاتے ہیں چوہے

جانتے ہیں یہ کہ ہم طاعون کے مختار ہیں
اس لئے ہر ایک کو آنکھیں دکھاتے ہیں چوہے

وہ بہادر شیر کو جو رنگ کر دیتے تھے جو
جائے عبرت ہے کہ اب انکو ڈراتے ہیں چوہے

شیر سے کچھ کم نہیں ہوتا ہے ان کا رعب داب
سامنے پھولے ہوئے جس وقت آتے ہیں چوہے

ہے یقیں رستم بھی اپنی جان لیکر بھاگ جائے
جب کہ طاعون اپنے ساتھ لاتے ہیں چوہے

چار آنکھیں کیا ہوئیں گویا قیامت آگئی!
موت کا پیغام اپنے ساتھ لاتے ہیں چوہے

کوئی اپنا دخل دے اتنی کہاں اسکی مجال
جس جگہ پر چاہتے ہیں گھر بناتے ہیں چوہے

بدگمانی سے کسی کی آنکھ جھپکے کس طرح
سینۂ تمت خانہ میں شب کو لگاتے ہیں چوہے

وقت آخر بھاگ جاتے ہیں عزیز و اقربا
نزع میں بہر عیادت روز آتے ہیں چوہے

تمت

